علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

ماہنامہ

اللطیف

ویلور

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

اللطیف

زیر ظلِ حمایت و سرپرستی

اعلیٰ حضرت

مولانا مولوی ابو النصرؒ قطب الدین
سید شاہ محمدؒ باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلورؒ قدس سرہ العزیز

مدیرِ اعلیٰ:

حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمدؒ طاہر صاحب قبلہ قادری
دام برکاتہ بی اے ناظمِ دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلورؒ قدس سرہ

مدیر مسئول:۔

جناب افضل العلماء مولوی ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین صاحب بخاری لطیفی کڈپوی
لکچرار دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

مدیر معاون:۔

مولوی محمد ابوبکر صاحب منشی فاضل مدرس دار العلوم لطیفیہ،

نمائندگانِ طلباء:۔

(۱) مولوی۔ ٹی۔ کے۔ نذیر احمد صاحب ادیب فاضل جنرل مانیٹر
(۲) حافظ وی۔ یم۔ محمد کمال الدین ادیب فاضل
(۳) کے۔ یم۔ شاکر اللہ ادیب فاضل گیمس کیا پٹن
(۴) حافظ۔ یم۔ بشیر الحق قریشی ادھونی،

دار العلوم لطیفیہ
سنہ ۱۳۹۲ھ
مطابق
سنہ ۱۹۷۲ء

مطبوعۂ الیکٹرک قومی پریس لشکر بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین سالنامہ اللطیف

نظم

ازقدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ
اعلیحضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قدس رحمۃ اللہ علیہ

عطیۃ
ازحضرت مولانا
ابوصالح عمادالدین
سیدشاہ محمد ناصرصاحب
قبلہ قادری مدظلہ العالے
المعروف بہ
میراں پاشاصاحب

انا الحق . بولنا رمز کہن ہے
سخن بوج اس سخن میں کیا سخن ہے

خدا ہے ساقی و جام و صراحی
خدا ہی بوج اگر مئے ہو دن ہے

نہیں ہے غیر حق موجود جگ میں
تجلّی اس کی سارا انجمن ہے

ظہور دوست ہے کیا خار و کیا گل
وہی ہے کیا چمن ہے کیا دمن ہے

اگر گل ہے تو بج رخسار اسکا
دگر غنچہ اسی کا او دہن ہے

وہی لیلے وہی مجنوں و وامق
وہی عذرا وہی نل اور دمن ہے

اسی کا جلوہ گر ہے حسن ہور عشق
یہی سب عاشقاں کا ایک بچن ہے

وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولا

رُباعی

اس سینہ میں کائنات رکھ لی ہیں نے
کیا ذکرِ صفات ذات رکھ لی ہیں نے
ظالم ہی سہی، جاہل ہی سہی، نادان ہی سہی،
سب کچھ ہی سہی، تیری بات رکھ لی ہیں نے

حضرت امجد حیدرآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

الحمد للہ سالنامہ اللطیف اپنے سفر کی بارھویں منزل میں قدم رکھ چکا ہے۔ مُربیانِ دارالعلوم اساتذۂ کرام اور طلبائے عزیز نے اپنی پیہم جدو جہد و جانفشانی سے اس کے خدوخال اور نوک پلک درست کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے دامن کو نت نئے موتیوں سے مرصع کیا۔ اور اس کے ہر پہلو کی گوناگوں لطافتوں سے تزئین و آرائش کی۔ اس کے پُر مغز و فکر انگیز مضامین، بزرگانِ دین کے تبرکات، قدیم و جدید فنکاروں کی تخلیقات اور ادبی نگارشات یقیناً اصحاب ذوق کے لئے انبساط و انشراح کا باعث ہوں گے۔ ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے ایسے پُر از معلومات مضامین پیش کریں جو ان کی مختلف شعبہائے زندگی میں صحیح رہنمائی کر سکیں۔ سالنامہ اللطیف اپنے ہاتھوں میں ہے مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ اس عجیب و غریب رہنما نے آپ کی کہاں تک رہنمائی کی ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ جہالت نے ہمیشہ علم کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کی اور اس حقیقت میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ فرد کو سماج میں، اور قوم کو عالم میں اقتدار بخشنے والی چیز علمی برتری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر شرافت علم ہی کی بدولت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے فرشتے آپ کے آگے اپنی گردنیں جھکانے پر مجبور ہو گئے۔ جب تک مسلمانوں میں یہ علم رہا وہ دنیا کے حکمراں بنے رہے۔ جیسے ہی یہ دولت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی بہت جلد دنیا نے دیکھ لیا کہ کل کی حاکم قوم آج محکوم ہو گئی، اور جو محکوم تھے وہ آقا بن گئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے دورِ عروج میں مسلم علماء غیروں کو ان کی مذہبی مقدس کتابوں کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں کمال الدین بن یونس موصل میں اور عز الدین اربلی دمشق میں اپنے مذہب کے علاوہ مذہب عیسائی کے اتنے زبردست عالم تھے کہ عیسائی اپنی مقدس کتاب ان سے پڑھتے تھے۔ ان علماء کو توریت و انجیل کی تفہیم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور کے عیسائی علماء بھی ان کتابوں کی شرح و بسط اس عمدگی سے نہیں کر سکتے تھے۔ جو حق کہ ان علماء کا تھا۔ لیکن اس کے بعد زوال آیا تو یہ حال ہوا کہ ترکوں کے دورِ اقتدار میں ایک مصری باشندہ اپنے لڑکے کی قرآنی تعلیم کے لئے ایک عیسائی عالم کو مقرر کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اسلامی تاریخ کا اس سے بڑا المیہ اور کیا ہوگا کہ دنیا کو درس دینے والی قوم اپنی مذہبی مقدس کتاب کا درس

لینے کے لئے دوسروں کے آگے زانو تہ کرے۔ آج بفضلہ ہمالہ سے لیکر راس کماری تک ہزاروں مدارس اسلامیہ سرگرم عمل ہیں، مسلمان والدین پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ اپنی اولاد کو جو خدا کی امانت ہیں علوم دینیہ اور فنونِ مختلفہ سے آراستہ کرکے اپنی اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہوں۔

دارالعلوم لطیفیہ جو صدیوں سے جنوبی ہندوستان میں دین کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہے، جہاں سے سینکڑوں تشنگانِ علوم نے اپنی پیاس بجھائی آج بھی شب و روز خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہے، اور اپنے طلباء کی تعمیر و ترقی میں ایسے اسباب و ذرائع کو اپنا رہا ہے، جو ان کی دین و دنیا کی سرخروئی کا باعث ہو۔

مالکِ ارض و سما سے دعا ہے کہ ہمارے ارادوں کو بلند اور عزائم کو مستحکم بنائے۔

آمین!

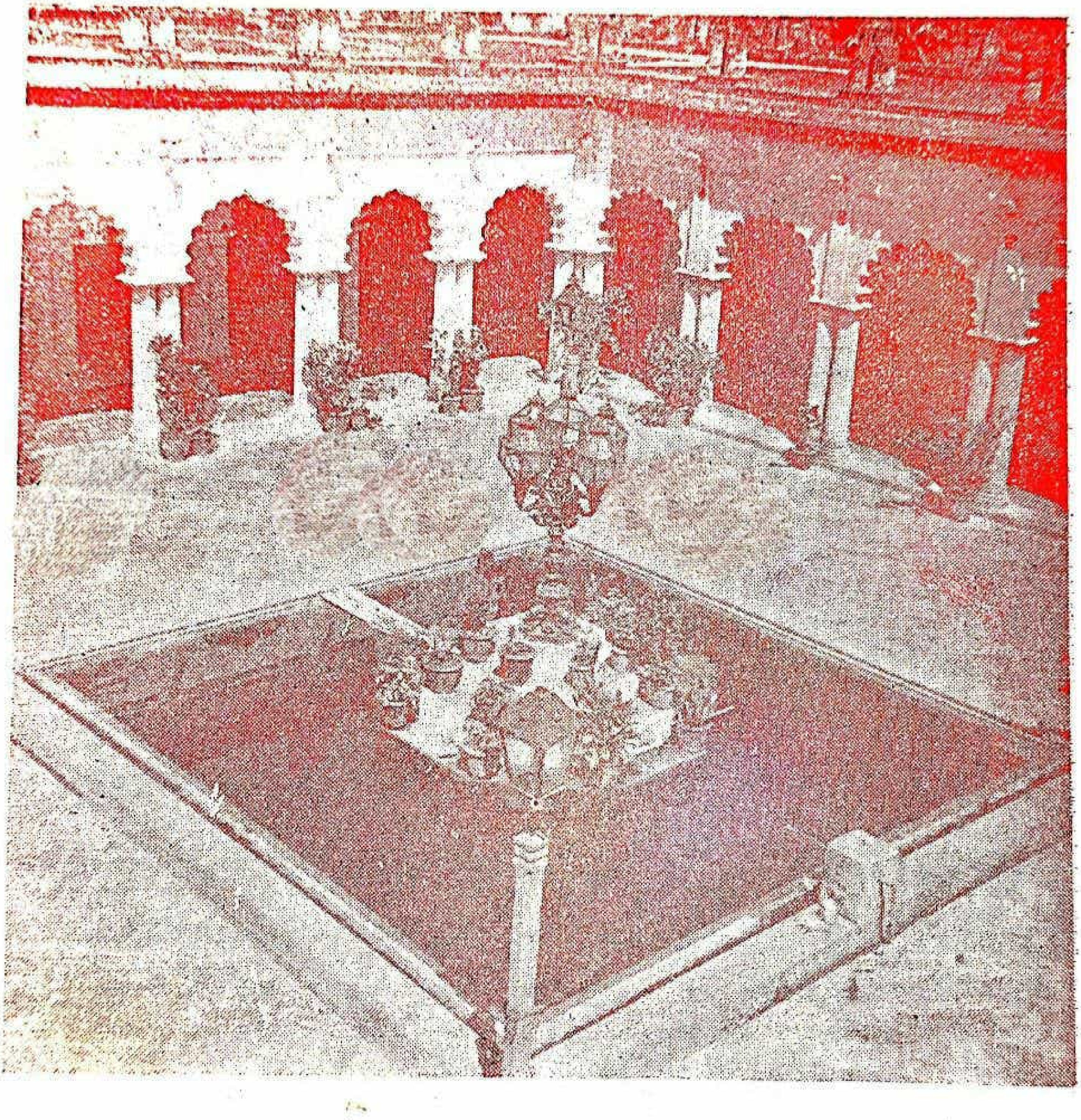

دارُالعلومِ لطیفیہ کا اندرونی دیدہ زیب منظر
پیشکش: سیّد مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

روئداد دار العلوم لطیفیہ

جنوبی ہندوستان میں حضرات اقطابِ ویلور قدس اسرارہم کی علمی، ادبی اور عرفانی خدمات تاریخ کا روشن باب ہیں، ان نفوسِ قدسیہ نے اپنے ہر دور میں باطل کا مردانہ وار مقابلہ کیا، لوگوں کی صحیح رہنمائی کی۔ آج بھی یہ خاندان خلقِ خدا کی خدمت میں اپنی توانائیوں کو صرف کر رہا ہے۔ تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز، کی سرپرستی، عزت مآب مولانا مولوی ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری کی نگرانی اور فضیلت مآب مولانا حضرت ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری B.A کی نظامت میں دار العلوم لطیفیہ ترقی کے مدارج طے کرتا جارہا ہے۔ ان مربیان دار العلوم کی یہی خواہش اور دلی تمنّا ہے کہ نونہالان اسلام زیادہ سے زیادہ اس چشمۂ علم سے سیراب ہوں، اور خود کو عمدہ، اور اچھے اخلاق سے آراستہ و پیراستہ کرکے قوم مسلم جو ان کے لئے چشم براہ ہے اسکی خدمت و رہنمائی کرکے اسلام کا بول بالا کریں۔

سالِ نو اُم المدارس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کا نیا تعلیمی سال اور طلباء کا داخلہ ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۱ھ سے شروع ہوا۔ حسبِ سابقہ امسال بھی ریاستِ ٹمل ناڈو، آندھرا پردیش، کیرالا، میسور، مہاراشٹرا، منی پور وغیرہ سے آنے والے قدیم و جدید طلباء کا کثیر تعداد میں داخلہ ہوا۔ تمام کے قیام و طعام کا انتظام مربیان دار العلوم اپنی شب و روز کی محنت و جانفشانی سے کر رہے ہیں۔

طلبا کی تعلیم و تربیت قابل اساتذہ کی نگرانی اور پرورش و پرداخت پاک و صاف غذا سے کی جارہی ہے تاکہ غذا کے بہترین اثرات بھی ان میں رونما ہوں جس سے ان کا ضمیر روشن اور مستقبل تابناک ہو۔

درسِ بخاری شریف ہر سال دار العلوم میں مولوی عالم کی جماعت کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی دونوں جلدیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس طرح سے ان کا دورۂ حدیث مکمل کیا جاتا ہے۔

۲۶ شوال المکرم ۱۳۹۱ھ روز چہارشنبہ خانقاہِ عالیہ قطبیہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب تفاسیر، احادیث و تصوف کا آغاز تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور کی دعاؤں کے ساتھ ہوا۔

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۲ء شب پنجشنبہ انجمن دائرۃ المعارف

کا افتتاحی اجلاس نہایت ہی اہتمام کے ساتھ منایا گیا جسکی صدارت فضیلت مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ دام ظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور نے فرمائی۔ جلسہ کا آغاز مولوی حافظ محمد کمال الدین لطیفی بلنجپوری نے کلام الٰہی کی تلاوت سے کیا۔ مولوی کے یم۔ شاکر اللہ لطیفی مدراسی نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گلدستۂ نعت پیش کیا۔

عالیجناب مولانا مولوی الحاج سید شاہ محمد صبغۃ اللہ صاحب بختیاری مدرس مدرسہ باقیات الصالحات ویلور، جو خصوصی طور پر اس جلسہ میں طلباء سے خطاب کے لئے مدعو تھے، اپنے مخصوص انداز میں خطاب کرتے ہوئے انجمن دائرۃ المعارف کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ مدارس جنوب میں اس انجمن کو ایک انفرادی مقام حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں بالالتزام ہر ہفتہ تقریری جلسہ کا انعقاد اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوتا ہے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے عصرِ جدید میں تحریر و تقریر کی اہمیت دلائل کے ساتھ مفصلاً پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ درس اور مطالعہ کی طرح یہ بھی آپ کا ہفتہ واری سبق ہے۔ یہ دونوں چیزیں تمہاری تعلیم کا جزو لاینفک ہیں اور تعلیم کا بہترین ثمرہ اور نتیجہ تحریر و تقریر ہے۔ آپ نے دورِ جدید کو نفسیاتی اور انقلابی دور سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ دور میں ہر انقلاب تحریر و تقریر کا رہین منت ہے، یہ تحریر و تقریر ہی کا اثر ہے کہ یورپ امریکہ اور روس سے ملحدانہ اور لادینی نظریات کی نشر و اشاعت ہو رہی ہے۔ مزید آپ نے گرجدار لہجہ میں کہا کہ جس مولوی کو لکھنا نہیں آتا وہ ایسے آدمی کی طرح ہے جس کے دونوں ہاتھ شل کر دئے گئے اور جس مولوی میں تقریری صلاحیتیں مفقود ہیں وہ گونگا ہے۔

اس کے بعد جناب مولانا مولوی محمد حاتم صاحب اشرفی مدرس دارالعلوم لطیفیہ نے وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا پر انتہائی بصیرت افروز اور جامع تقریر کی اور حبِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا اہم اور عظیم رکن قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم میں جب اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور والہانہ الفت ہے تو بالیقین اسکی سعادت و برکت سے تحریر و تقریر ہی کیا دنیا کی ہر اعلیٰ چیز تمہاری غلام ہو جائے گی۔ مولانا موصوف کی تقریر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر لبریز تھی کہ سامعین انتہائی درجہ محظوظ ہوئے۔

جلسہ میں حافظ سید محمد اللہ ضیا بختیاری رائچوڑی نے چند قطعات اور ایک غزل سنائی۔ اہل جلسہ بہت خوش ہوئے اور دادِ تحسین دی۔

اجلاس کے اختتام پہ عالی جناب مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری B.A مدظلہ العالی ناظم دار العلوم ھٰذا نے اپنے مخصوص انداز

فکر میں طلباء اور اہلِ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مسلمان طالب العلم کی زندگی قوم کی مقدس امانت ہے ہر طالب العلم کا فرض ہے کہ اسکی حفاظت کرے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آپنے فرمایا کہ مدارس اسلامیہ سے سینکڑوں طلباء کی فراغت کے باوجود یہ دور قحط الرجال ہے اس لئے کہ ان میں نہ تقریری صلاحیتیں ہوتی ہیں نہ تحریری اور نہ یہ کسی فن میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ان تمام میں دسترس حاصل کریں۔

مزید آپنے طلبا کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ وقت کی قدر کرو وہ تمہارا بہترین ساتھی ہے اور دوست صرف کتاب ہے۔ جو تمہارے لئے زندگی کے ہر موڑ پر خضر راہ کا کام دیگی اور ہمیشہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ ان نفوس قدسیہ کی صحبتیں تمہارے گیسوئے حیات کے سنوارنے میں اہم رول ادا کریں گی۔

اخیر میں آپنے مہمانِ خصوصی اور اہلِ جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ الحمد للہ جلسہ بحسن وخوبی اپنی پوری کامیابی کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

انتخابی اجلاس

ہر سال دار العلوم میں انجمن دائرۃ المعارف کی جانب سے مانیٹر، سکریٹری، کپتان وغیرہ کی عہدوں کے لئے انتخابات منعقد ہوتے ہیں جس میں خود طلباء اپنی جانب سے مختلف عہدوں کے لئے طلباء کا انتخاب کرتے ہیں۔ بعض اہم عہدوں کے لئے ناظم دار العلوم لطیفیہ اپنی جانب سے نام پیش کرتے اور طلباء کو انتخاب کا موقع دیتے ہیں۔ اس طرح جلسہ میں روح جمہوریت کارفرما ہوتی ہے۔ سالانہ اجلاس کے موقع پر ان عہدیداروں کو جو اپنی ذمہ داریوں کو انجام دئیے ناظم دار العلوم ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے عمدہ اور قیمتی انعامات سے سرفراز کرتے ہیں۔

مؤرخہ ۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ھ بروز جمعہ حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی ناظم دار العلوم لطیفیہ و صدر انجمن دائرۃ المعارف کی صدارت میں جمہوری طرز پر انتخابات ہوئے اور اہم عہدوں کے لئے قابل شخصیتوں کا انتخاب ہوا۔ حضرت صدر نے اخیر میں منتخب ہونیوالوں کو مبارکباد دیتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کی طرف ان کی توجہ مبذول فرمائی۔

درسیات

دار العلوم میں ہر زمرہ کے لئے اسلامی تاریخ لازمی ہے اور متوسطات میں عربی کی جدید کتابیں داخل نصاب ہیں۔ خواہشمند طلباء کے لئے انگریزی ٹیوشن کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

انجمن دائرۃ المعارف کے اہم اور مخصوص جلسے

فن تقریر وخطابت کے میدان میں ترقی کرنے اور اس میں کمال پیدا کرنے کے لئے امسال انجمن کی جانب سے تقریباً ساٹھ نشستیں ہوئیں۔ ہفتہ واری اجلاس شب جمعہ و صبح جمعہ منعقد ہوئے شبینہ اجلاسوں کی صدارت اساتذہ دار العلوم نے اور صبح والی نشستوں کی صدارت منتہی طلباء نے کی۔ اسکے علاوہ وقتاً فوقتاً عزت مآب حضرت مولانا ابو الحسن

صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A ناظم دار العلوم لطیفیہ و صدر انجمن بھی انجمن کے جلسوں کی صدارت فرماتے رہے۔

۹ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ شب پنجشنبہ اساتذۂ دار العلوم اور طلباء نے سید الشہداء سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ عالیہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ بروز چہارشنبہ جلسۂ عید میلاد النبی اور ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ بروز چہارشنبہ جلسۂ تشہیرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ، فضیلت مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں طلباء دار العلوم اساتذۂ کرام اور حضرت ناظم صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے اپنی دلچسپ پُر از معلومات بصیرت افروز تقاریر سے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و غوثیت رضؓ میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ دونوں اجلاس کے موقعہ پر طلباء نے دار العلوم کے وسیع ہال کو سنوارنے میں اور اجلاس کو کامیاب بنانے میں انتھک کوشش کی۔ الحمد للہ دونوں جلسے بہت کامیاب رہے۔

مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ شب شنبہ ایک و اہم اجلاس کا انعقاد اعلیحضرت قبلہ کی صدارت میں ہوا۔ طلباء سے خطاب کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ عالی جناب فضل العلماء مولانا مولوی حافظ محمد یوسف کوکن صاحب صدر شعبۂ عربی و فارسی اور اردو (مدراس یونیورسٹی) کو دعوت دی گئی۔ آپ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے طلباء کو چند مفید مشورے دئیے۔ آپ نے فرمایا کہ پُرانے خیالات ہم قوم کے سامنے رکھ کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چند کتابیں پڑھ کر ہم یہ سمجھ جاتے ہیں کہ تمام کمالات حاصل کر لئے ہیں، یہ سراسر نادانی ہے۔ مدرسہ میں چند کتابیں پڑھ کر یہ سمجھ جانا کہ قابل ہو گئے، دانشمندی نہیں اور نہ مدرسہ آپ کو قابل بنا سکتا ہے۔ قابلیت آپ اپنی محنت جانفشانی اور جستجو ہی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آگے چل کر آپ نے کہا کہ یوروپ کے لٹریچر سے ہمارا انگریزی داں طبقہ گمراہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان کے لٹریچر کا بھی مطالعہ کریں اور اپنے علوم و فنون میں تحقیق کر کے ان شکوک و شبہات کا ازالہ براہین و دلائل سے کریں، اس طرح ان کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ مولانا کی تقریر ایک گھنٹہ سے زائد رہی تمام ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔ عالیجناب مولانا محمد حاتم صاحب شرفی مدرس دار العلوم نے بھی طلباء سے خطاب کیا۔ اور اپنی جادو بیانی سے تمام کو مسحور کر دیا۔ اخیر میں حضرت ناظم صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے طلباء کی توجہ فاضل مقررین کی تقاریر کی جانب مبذول کراتے ہوئے تمام کا شکریہ ادا کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۷۲ء بروز شنبہ یوم آزادی کے موقع پر اساتذۂ دار العلوم و ناظم دار العلوم مدظلہ العالی نے جنگ آزادی سے متعلق تقریریں کیں اور طلباء کو فلسفۂ آزادی سے روشناس کرایا۔

تعلیمی سیر

۲۵ ربیع الاول بروز چہار شنبہ افضل العلماء مولانا مولوی ابوالمکارم سید مصطفےٰ حسین صاحب بخاری کڈپوی مدرس دارالعلوم لطیفیہ کی قیادت میں ۱۹ طلباء کی جماعت تعلیمی سیر پر روانہ ہوئی۔ شام کے ٹھیک سوا پانچ بجے بذریعۂ ریل نکل کر ناگپٹنم ہوتے ہوئے ناگور شریف پہنچے۔ طلباء بہت تھکے ماندے تھے تمام نے سب سے پہلے شفا گنبٹھ میں غسل کیا۔ بہت دیر تک تیرتے رہے۔ نہانے سے فراغت کے بعد درگاہ شریف میں حاضری دی۔ یہاں آکر دلوں کو بہت سکون ملا۔ مختلف مقامات سے بے حساب عقیدتمند جمع تھے۔ ایک میلہ لگا ہوا تھا۔ بغیر کسی امتیاز مذہب و ملت کے لوگ جوق درجوق حضرت قادر ولی باشا قدس سرہٗ کی بارگاہ عالیہ میں آتے اور نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے تھے، دیکھنے کا سماں ہوتا ہے۔ بیشک آج دلوں پر اگر کسی کی حکمرانی ہے تو بس انہیں اولیاء کرام کی۔ کیا امیر کیا فقیر؟ تمام اس آستانہ پر جھک جانا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔

تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے طلباء کاریکل چلا گئے رات کے نو بجے کے بعد تمام کئی ایک دروازوں سے گذرتے ہوئے مزار مقدس کے قریب پہنچے۔ سلام پڑھا اور سلام کے بعد واپس لوٹے۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ بھی سیر تفریح ہوتی رہی۔ رات کے دس بجے ناگور شریف سے روانہ ہوئے۔ شنبہ کی شام کو ۴ بجے ویلور دارالسرور پہنچے۔ اس سفر میں طلباء نے بہت سے تاریخی مقامات کا جائزہ لیا۔ اور مقدس مقامات کی زیارت سے شرف یاب ہوئے بسفر انتہائی کامیاب رہا۔

دار التصنیف والاشاعۃ

اس سال مذکورہ شعبہ سے عقائد ذوقی کے دوسرے حصے کا ترجمہ مکمل ہو چکا لیکن بعض اہم مصروفیتوں کی وجہ کاپی پریس کو نہ بھیجی جا سکی۔ یہی معاملہ دنیائے تصوف کا عظیم شاہکار جواہر السلوک کا ہوا۔ انشاء اللہ آئندہ سال اولین فرصت میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

اسباب صحت

صحت ایک عظیم نعمت ہے۔ اس کے بغیر انسان صحیح معنی میں اپنے کمالات اور قابلیت سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اسی لئے طلباء اپنی سستی اور کسلان کو دور کرنے، اور دل و دماغ کو تر و تازہ چالاک بنانے کے لئے دارالعلوم کے میدان میں بعد عصر بیٹ منٹن، والی بال، ٹنی کائٹ کبڈی جیسے بہترین کھیلوں سے دلچسپی لیتے رہے، اس سال والی بال میں ان کا مقابلہ باہر کی ٹیم سے بھی ہوا، جس میں انہوں نے کامیابی حاصل کی۔

نوید مسرت

اس سال مارچ سنہ ۱۹۷۲ء میں ہونے والے مدراس یونیورسٹی کے اورینٹل امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل ادیب فاضل میں ہمارے ۱۴ طلباء نے سو فیصد کامیابی حاصل کی۔ اکثر درجۂ اول و دوم سے کامیاب ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

امتحانات وانعامات

حسب سابق اس سال

بھی دارالعلوم میں تین امتحانات ہوئے۔ سہ ماہی ششماہی سالانہ۔ اول الذکر دو امتحان اساتذۂ کرام نے لیا۔ سالانہ امتحان کے پرچے بیرونی علمائے کرام نے تیار کیا اور جوابات کی کاپیاں تصحیح کے لئے انہیں حضرات کے پاس بھیجی گئیں۔ امتحان ہال کی نگرانی بھی حسب سابق بیرونی حضرات کے ذمہ رہی۔ سالانہ اجلاس میں درسیات مقالہ نویسی، گیمس واسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

دستار بندی، عبا پوشی و تقسیم اسناد

تقدس مآب اعلحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے عظیم الشان سالانہ اجلاس کے موقع پر جس میں علماء حکماء اور معتقد حضرات شریک تھے اپنے دستِ فیض اقدس سے مولوی فاضل میں فارغ ہونے والے کو عباء و دستار اور سند فاضل اور مولوی عالم و شعبۂ حفظ میں فارغ ہونے والے طلباء کو عبا اور اسناد عالم وحافظ عطا فرمایا۔

ھدیۂ تشکر

ہم ان تمام اطباء اور ڈاکٹروں کے تہِ دل سے مشکور ہیں جنہوں نے موسمی اثرات سے متاثر ہونے والے طلباء کی جانب فوری توجہ دیتے ہوئے ان کی صحت بحال کرنے میں کوشاں رہے۔

نیز ہم ان مدیران اخبار اور مالکانِ مطابع کے مشکور ہیں جو دارالعلوم کی کارروائیوں کو وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے۔ بالخصوص جناب مولوی عبدالمتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور کے انتہائی مشکور ہیں کہ ہماری مطلوبہ ضروریات کی اشاعت کو مقدم فرماتے ہوئے ہماری ہمت افزائی کی۔

خدائے بزرگ و برتر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کو اور دارالعلوم سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو سعادتِ دارین سے نوازے۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تقویٰ کی اہمیت

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی سے خطاب فرماتے ہوئے تقدس مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور نے تقویٰ کی اہمیت پر روشنی ڈالی جو پیش ناظرین ہے:-

---

تقوے کو جاننا چاہئے کہ وہ کیا چیز ہے؟
تقویٰ ایک نایاب خزانہ ہے۔ اگر اس کو قابو میں کر لیا تو تمام نیکی اور رزق اور ثواب اور بڑی دولت حاصل ہوئی گویا کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اکٹھی کر لیں۔ اس ایک خصلت میں جسکا نام تقویٰ ہے سب نیکیاں جمع ہیں۔

قرآن شریف میں غور کرو تو اکثر جگہ اس کا ذکر فرمایا ہے اور بہت ثواب و بھلائیاں اسکی نسبت کی ہیں۔ ان میں بارہ باتیں جو تقویٰ کے ساتھ بیان فرمائیں ہیں وہ یہ ہیں:-

ایک تو صرف مدح اور ثنا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور یعنے اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو، پس یقیناً وہ عزم کے کاموں میں سے ہے۔ یعنے ایسے کاموں میں سے ہے جس کے لئے ہمت کرنا ضروری ہے۔ دوسرے دشمنوں سے حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئا یعنی اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو تم کو ان کا مکر کچھ نقصان نہ کرے گا۔
تیسرے خدا تعالیٰ کیطرف سے مدد ملتی ہے قولہ تعالیٰ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون یعنے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کریں اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کریں۔ چوتھے سختیوں سے نجات ملتی ہے اور رزق حلال حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔ ویرزقہ من حیث لا یحتسب یعنے جو کوئی تقویٰ کرے اسکو خدا تعالیٰ سب سختیوں سے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا حال اس کو معلوم نہ ہو۔

پانچواں عمل کی درستی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم یعنے اے ایمان والو، تقویٰ کرو اور سچی بات کہو تاکہ خدائے تعالیٰ تمہارے عملوں کی درستی کرے۔ چھٹے، گناہ بخشے جاتے ہیں جیسا کہ اسی

آیت کے بعد ویغفر لکم ذنوبکم فرمایا ہے یعنے اصلاح عمل کے تقویٰ سے یہ فائدہ ہے کہ تمہارے گناہ بخش دیگا۔

ساتویں۔ خدائے تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، قولہ تعالیٰ ان اللہ یحب المتقین یعنے اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

آٹھواں، عبادت قبول ہوتی ہے، قولہ تعالیٰ انما یتقبل اللہ من المتقین یعنے اللہ تعالیٰ متقیوں کے سوا کسی کی عبادت قبول نہیں کرتا۔

نویں۔ خدا کے نزدیک بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنے خدائے تعالےٰ کے نزدیک تم میں سے بزرگ وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

دسویں۔ دونوں جہان کی خوشخبری، قولہ تعالیٰ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ یعنے جو لوگ ایمان والے ہیں اور تقویٰ والے ہیں ان کو دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے۔

گیارھویں، دوزخ کی آگ سے نجات ملتی ہے، قولہ تعالیٰ ثم ننجی الذین اتقوا جب دوزخ پر سب گذرینگے پھر ہم متقیوں کو بچالیں گے۔

بارھویں۔ بہشت میں ہمیشہ رہنا، خدا تعالیٰ فرماتا ہے، اعدت للمتقین یعنے بہشت متقیوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ غرض کہ دونوں جہان کی خوبیاں تقویٰ میں رکھی ہیں۔

بس اس تقوے سے بھول کر بھی بے نصیب نہ ہونا چاہئے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ عبادت میں تین چیزیں اصل ہیں۔ ایک توفیق اور تائید خدا تعالیٰ کی، یہ خاص متقیوں کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ مع المتقین یعنے خدا تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

دوسرے، عمل کی درستی اور نقصان کا نہ رہنا، یہ بھی متقیوں کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یصلح لکم اعمالکم یعنے اگر تم تقویٰ کروگے تو تمہارے لئے تمہارے کام درست کردیگا۔

تیسرے، عمل کا قبول ہونا۔ یہ بھی متقیوں کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین یعنے متقیوں کے سوا کسی کا عمل قبول نہیں ہوتا۔ انہیں تینوں پر عبادت کا دارومدار ہے۔ اس لئے کہ عمل کرنے سے پہلے توفیق ہونی چاہئے۔ اس کے بعد نقصان کی درستی چاہئے۔ تاکہ عمل تمام ہو۔ جب عمل تمام ہوجائے تو قبول ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے سب عابد اسکی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہمیشہ عاجزی کیا کرتے ہیں اور یوں کہا کرتے ہیں کہ خداوندا ہم کو عمل کی توفیق دے اور عمل کے نقصان پورے کر اور جو کچھ ہم عمل کریں اس کو قبول کر اور ان سب کا خدا تعالیٰ نے تقوے کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے اور یہ سب باتیں متقیوں کو عنایت ہوتی ہیں۔ اگر وہ خواہش کریں یا نہ کریں۔ بس تم کو بھی تقویٰ لازم ہے۔ اگر عبادت کرنا چاہتے ہو بلکہ اگر دنیا اور عقبےٰ کی سعادت لینا چاہتے ہو تو تقویٰ کرو۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے، انما یتقبل اللہ من المتقین یعنے اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے علاوہ

کسی کی عبادت قبول نہیں کرتا۔

پس عبادت کی قبولیت کا دارومدار تقوے پر آٹھہرا۔ اور اس وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی کوئی چیز اس قدر خوش نہیں آتی تھی جیسا متقی خوش معلوم ہوتا تھا اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ توریت میں لکھا ہے کہ اے فرزند آدم تقویٰ کر اور جس جگہ چاہے سورہ۔ اور بیان کرتے ہیں عامر بن قیس رات دن میں نماز کی ہزار آیتیں ادا کرتے اور جس وقت بستر پر آتے تو نفس سے کہتے' اے سب برائیوں کے گھر' خدا کی قسم میں تجھ سے ایک پل بھی راضی نہیں ہوتا ہوں جب تک تقویٰ نہ کرے' اور مرتے وقت رونے لگے۔ ان سے پوچھا رونے کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا کہ خدا تعالےٰ کا فرمان یاد آتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین یعنے متقیوں کے سوا کسی کا عمل قبول نہ ہوگا ؎

عفو باشد لیک کہ فردا امید
کہ بود بندہ ز تقویٰ رُو سفید

اب ایک اور اصل اصول پر غور کرنا چاہیئے کہ ایک بزرگ نے اپنے پیر سے کہا کہ مجھکو کچھ وصیت فرمائیے' پیر صاحب نے کہا کہ میں تجھکو وہ وصیت کرتا ہوں جو خدا نے سب اگلوں اور پچھلوں کو فرمایا ہے ولقد وصینا الذین اوتو الکتٰب من قبلکم وایاکم ان اتقواللہ یعنے ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی ہے کہ تقویٰ کرو۔ اور ان لوگوں کو بھی وصیت کی ہے جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں۔

غور کا مقام ہے کہ خدا تو سب سے زیادہ بندے کی بہتری چاہتا ہے اور سب سے زیادہ خیر خواہ اور مہربان ہے۔ اگر اس کے نزدیک کوئی خصلت دنیا میں بندے کے لئے تقوےٰ سے بہتر ہوتی اور سب خوبیوں کے جامع اور ثواب میں زیادہ اور بندگیوں میں بزرگ اور آرزوؤں کو بھی زیادہ پوری کرتی ہوتی تو خدا تعالےٰ بندوں کو اسی کا حکم فرماتا ہے اور اسی کی وصیت کرتا۔ پس جب کہ اگلوں پچھلوں کو تقویٰ کی وصیت کی اور اسی ایک خصلت پر اکتفا کیا تو معلوم ہُوا کہ یہ خصلت دنیا و آخرۃ کو جامع ہے اور سب کاموں کو کافی ہے اور عبادت کے بلند مرتبوں کو پہچاننے والی ہے اور ایسی اصل ہے کہ جو کوئی تامل کرے اور اس پر عمل کرے تو اس کو کافی ہو اور زیادہ حاجت ذکر نہیں۔

اے عزیز طالب علمو! وقت کی قلت کی وجہ دُعا پر تقریر ختم کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور طفیل سے علم وعمل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فقر وصداقت کو اپنا شیوہ بنائے۔ رب العزۃ سرخروئی اور کامرانی عطا فرمائے آمین۔

وصلے اللہ علیٰ خیر خلقہ وآلہ واصحٰبہ اجمعین وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دورِ حاضرہ میں کیا کوئی ولی نہیں ہے؟

از
عالیجناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی
B.A ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

اللہ جل شانہٗ کی شان اور اس کی قدرت کا کرشمہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت برگزیدہ میں علم و فضل کے ساتھ اولیاء اللہ کو ہر دور و زمانہ میں پیدا فرماتا رہا ہے۔ خلفائے راشدین کا زمانہ تو شاندار زمانہ تھا۔ بعد ازاں مسلسل جلیل القدر و مشاہیر علماء اور اولیاءِ کرام دُنیائے اسلام کو زینت بخشتے رہے۔ اس زمانے میں جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ولایت وکرامت و صاحب تصنیف ہوتے تھے علم و فضل اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ درخشاں ستارے کے مانند چمکتا رہا۔

اُن عالی مقام و ید بیضا رکھنے والی مقدس ہستیوں میں سے حضرت امام جعفر صادق۔ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام شافعی و امام مالکؒ حضرت امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین روشن میناروں کے مانند تھے،

دہل جائیں زمین و آسمان مومن کے سجدے سے
خدا کی بندگی یہ ہے "عبادت" اس کو کہتے ہیں

دیگر برگزیدہ ہستیوں کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

علم حدیث، فقہ و تفسیر اور تصوف کے گوہر نایاب، زبردست و معرکۃ الآرا تصانیف ان ہی پیکر صدق و صفا ہستیوں کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں۔ اور ایک عالم فیض یاب ہوتا رہا ہے۔ ان قدسی صفات بزرگوں کے کرامات وکارنامے زندۂ جاوید و اظہر من الشمس ہیں۔

کیا اس موجودہ دور میں کوئی جید عالم، اللہ کے ولی موجود ہیں؟

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھکو
ہو جسکی رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

ایک عالم دین نے کہا کہ اُس زمانے میں وہ اللہ کی شان تھی اور اس زمانے میں یہ اللہ کی شان ہے۔

ظاہری آنکھ تو مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے"
ایک اور عالم دین نے فرمایا کہ اُس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت و ضرورت تھی کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو پیدا فرمائے تاکہ اشاعتِ علم دین اور تبلیغ اسلام کے زبردست کارنامے انجام پائیں۔ اُن ہی بزرگوں کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ دین اسلام بہت جلد ایک عالمگیر مذہب بنا۔ ولو بالفرض اُس زمانے میں وہ اُن کو پیدا نہ فرماتا اور اگر اس زمانے میں پیدا کرتا تو اتنی صدیوں میں ایک زبردست خلا پیدا ہو جاتا۔ اسلام محدود ہو کر رہ جاتا اور ہر دَور کے کروڑہا انسان نورِ ایمانی سے محروم ہو جاتے۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت غالب ہے اور وہ تمام کائنات پر قادر المطلق ہے ؎

بشر خود اپنی طاقت سے ہلا سکتا نہیں ذرّہ
جو ہو جذبِ یقیں پیدا تو پتھر موم ہو جائے

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی دَور یا زمانے میں نہیں مبعوث نہ فرمائے۔ اُس زمانے میں بھی یہ پیکرِ اخلاص موجود تھے اور اس دَورِ حاضر میں بھی اللہ والے برابر ولایتِ عظمیٰ پر فائز ہیں۔

ختمِ نبوت کے بعد اللہ جل شانہٗ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہدایت و رہبری کے لئے جید علماء اور اولیائے عظام کو وقتاً فوقتاً پیدا فرمایا رہا ہے۔ اس موجودہ دَور میں بھی بتایا جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ اولیاء اللہ موجود ہیں۔ اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیگا۔ لیکن یہ اُسکی شان ہے کہ کسی زمانے میں وہ اُن کو ظاہر فرماتا ہے تو کسی زمانے میں پوشیدہ رکھتا ہے جیسے ماہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھا ہے۔

علاوہ ازیں بادشاہوں، خلفاؤں، اور شہنشاہوں کو بھی وہ علم و فضل اور ولایت عظمیٰ سے نوازا۔ اورنگ زیب جو عالمگیر سے مشہور تھے ان کا ایک معروف و مشہور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر حاضری کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ مزارِ اقدس پر کھڑے ہو کر اورنگ زیب نے سلام بھیجا۔ جواب نہیں ملا۔ دوسری بار آپ نے سلام بھیجا لیکن اس بار بھی جواب نہیں ملا تو کہنے لگے کہ اگر اب کی بار جواب نہ ملے تو قبر توڑ کر لاش مبارک کو باہر کر دونگا۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے تیسری مرتبہ سلام بھیجا تو جواب آیا "وعلیکم السلام اے اورنگ زیب ضدی، کیا تجھکو معلوم نہیں تھا کہ میں کس شغل میں مشغول تھا نماز سے فارغ ہو کر سلام کے بعد جواب دے رہا ہوں"۔

سلطان محمود غزنوی روزانہ ایک لاکھ درود شریف پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تقویٰ اور پرہیزگاری

وعدل و انصاف مشہور رہے۔

حضرت ابراہیم ادہم بلخ کے بادشاہ تھے۔ اپنی سلطنت کو ٹھکرا کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور مکہ معظمہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ واقعہ ہے کہ ایک روز آپ کسی کھجور کی دکان پر کھڑے ہو کر کھجور خرید رہے تھے۔ اتفاقاً اثنائے خریدی ایک کھجور نیچے گرا۔ وہ اپنا ہی سمجھ کر اٹھا لئے اور مکان پہنچ کر نوش فرمانے لگے۔ جونہی اس کھجور کو استعمال فرمایا تھا کہ اچانک روشن ضمیری غائب ہوی اور ولایت سلب ہو گئی۔ اس گمشدگی راز کی اصل حقیقت معلوم نہ ہو سکی آپ میں انتہا درجہ کی تڑپ و آہ وزاری پیدا ہو گئی۔ عبادت و ریاضت میں لطف ومزہ نہ رہا کسی نے یہ حال دیکھ کر بیت المقدس جانے کا مشورہ دیا۔ وہاں مسجد اقصیٰ میں اولیاء کا گذر ہوتا ہے اور آپ کی یہ مشکل حل ہو جائےگی۔ مشورے پر عمل کرتے ہوئے آپ بیت المقدس گئے۔ مسجد اقصیٰ میں کسی کو شب میں قیام کی اجازت نہیں تھی۔ آپ مؤذن سے منت سماجت کر کے مسجد کے کسی کونے میں حصیر کے نیچے لیٹ گئے۔ نصف شب گذرنے کے بعد اولیاء اللہ کی آمد ہونے لگی۔ عبادت و ریاضت سے فارغ ہو کر جب مسائل حاضرہ پہ گفتگو کرنے لگے تو کسی نے کہا کہ کسی غیر جنس کی بو آرہی ہے۔ قطب الاقطاب نے فرمایا کہ کوئی غیر جنس نہیں ہیں۔ ابراہیم ادہم ہیں۔ بیچارے بڑی مشکل میں ہیں۔ ایک روز وہ کسی دکان پہ کھجور خرید رہے تھے۔ دکان والے کی غلطی سے ایک کھجور نیچے گرا اور وہ کھجور اپنا ہی سمجھ کر اٹھا لئے۔ اس کھجور کی جو غیر کی ملکیت تھی بلا اجازت ناجائز استعمال سے ان کی ولایت سلب ہو گئی۔ اب صرف ایک ہی حل ہے کہ اس کے کھجور کی قیمت ادا کی جائے یا معافی طلب کی جائے۔ ہم بھی دعا کریں گے۔ انشاء اللہ اُن کی ولایت پھر دوبارہ حاصل ہو جائے گی۔

فجر کی نماز کے فوراً بعد آپ بصرہ روانہ ہوئے۔ بعد ازاں اس دکان پر پہنچ کر آپ نے اس کھجور کی قیمت ادا کی اور مزید معذرت بھی چاہی۔ آپ کے اس رویہ سے اس دکان والے کے دل پہ خوف الٰہی طاری ہو گیا کہ ایک معمولی چیز کی خاطر اس کی قیمت بھی ادا کی جاتی ہے اور معذرت بھی طلب کی جاتی ہے۔ اللہ نے اپنے فضل سے اُس کو ولایت سے نوازا۔ اور آپ کو بھی اپنی کھوئی ہوئی چیز عطا فرمایا۔ اور مزید آپ کے درجے بلند فرمایا۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ ایک روز کسی بزرگ نے آپ کو اپنے ہاں مہمان رکھنے کی غرض سے مدعو فرمایا۔ حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ تین دن ان کے پاس مہمان تھے۔ جب آپ نے وہاں کی غذا استعمال کرنا شروع کی تو آپ میں بے چینی و بے قراری محسوس ہونے لگی۔ اور یہ بے چینی بڑھتی

ہی گئی۔ اس حقیقت کی تلاش میں آپ نے ان کے ذرائع آمدنی کی تحقیق کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ جو نذرانہ آپ کو مل رہا تھا اس میں سود کا شائبہ تھا۔ جس کی وجہ سے یہ بے ثباتی و بے نوری پیدا ہو رہی تھی۔ اپنے میزبان کی دل شکنی نہ ہونے کی خاطر یہ سربستہ راز ان پر واضح کرنا نہیں چاہا۔ لیکن رخصتی کے وقت آپ نے اپنے معزز و کرم فرما میزبان کو اپنے ہاں مہمان رہنے کے لئے مدعو فرمایا۔ تو انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور آپ کے مکان تشریف لے آئے۔ جب سے آپ نے یہاں کی غذا کھانا شروع کیا آپ میں اطمینان و سکون حاصل ہونے لگا۔ محو حیرت تھے کہ یہ کیسے تین دن کے مسلسل قیام سے عبادت میں کامل لطف اندوزی پیدا ہو گئی۔ اور پیکر تعجب بن کر رخصتی کے وقت آپ نے اس حقیقت کو جاننا چاہا۔

ابراہیم ادہم نے اپنی شیریں بیانی سے حقیقت راز کو انکشاف فرمایا۔ بزرگ موصوف نے اپنے مکان پہنچکر اُس کا انسداد کیا اور پاک و مصفا غذا استعمال کرنا شروع کیا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین اکل حلال کی پاک و صاف غذا استعمال کرنے پر زور دیتے ہیں۔ چونکہ جس قسم کی غذا کھائی جائے گی اسی قسم کے اثرات پیدا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل اپنے بندوں پر کیسے ہوتا ہے اور ولایت عظمیٰ پر وہ کیسے فائز ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ جب ایک نشست خالی ہوتی ہے تو دوسرے سے وہ نشست پُر کی جاتی ہے۔

دریائے نیل پر کشتی چلانے والے ایک ملاح کا بیان ہے کہ ایک دن ایک بہت ہی نورانی چہرے والے بزرگ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا تم مجھے اللہ کے نام پر دریا کے پار اُتار دو گے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! وہ بزرگ میری کشتی میں سوار ہو گئے اور میں نے انہیں دریا کے پار اُتار دیا۔ جب وہ کشتی سے اُترنے لگے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک امانت سونپتا ہوں کیا تم اُس کو قبول کرو گے؟ میں نے کہا کہ جی حضور! میں ضرور قبول کروں گا تو انہوں نے فرمایا کہ کل تم فلاں درخت کے پاس ظہر کے وقت آنا تو تم کو وہاں میری لاش ملے گی۔ تم مجھ کو غسل دینا اور میرے سرہانے جو کفن تم کو ملے اُس کا مجھے کفن پہنا کر اسی درخت کے نیچے مجھے دفن کر دینا اور میری گدڑی اور عصا اور مشک کو اپنے پاس رکھنا۔ اور جو شخص ان چیزوں کو طلب کرنے کے لئے تمہارے پاس آئے اُس کو یہ سب سامان دے دینا۔

ملاح کا بیان ہے کہ میں اُن بزرگ کی وصیت کو بھول گیا اور بجائے ظہر کے عصر کے وقت مجھے خیال آیا تو میں اُس درخت کے پاس حاضر ہوا۔ تو واقعی اُن بزرگ کو مُردہ حالت میں پایا۔ میں نے وصیت کے مطابق اُن کو جو کفن پہنایا اُس میں سے

مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے جوں ہی ان کا جنازہ تیار کیا۔ ایک دم ناگہاں ایک طرف سے انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت آگئی۔ اور میں نے اُن لوگوں کے ساتھ نمازِ جنازہ ادا کرکے اُسی درخت کے نیچے انہیں دفن کردیا۔ اور اپنے گھر آکر رات میں سو رہا۔ صبح سویرے ہی ایک جوان جو ناچنے گانے والے بھانڈ کا لڑکا تھا میرے پاس آیا۔ نہایت ہی باریک کپڑا پہنے ہوئے، ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی اور بغل میں ستار دبائے میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ فلاں بن فلاں تم ہی ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں میں ہی ہوں۔

اُس نے کہا کہ پھر جو امانت تمہارے پاس ہے مجھے دے دو۔ میں نے حیران ہوکر پوچھا کہ تمہیں اس کی خبر کیوں کر ہوگئی؟ اس نے کہا کہ یہ نہ پوچھئے! میں نے کہا کہ یہ تو تم کو بتانا ہی پڑیگا۔ میرا اصرار سن کر اُس نے کہا کہ بھائی! میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا کہ میں گذشتہ رات ایک شادی میں ساری رات ناچتا رہا اور گاتا رہا۔ جب صبح کو اذان فجر ہوئی تو میں ناچ ختم کرکے سوگیا۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ کو جھنجھوڑ کر جگایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں ولی کو وفات دے دی ہے اور تجھ کو اُس کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ لہٰذا تو فلاں ملاح کے یہاں جاکر اُس وفات پانے والے ولی کے تبرکات وصول کرلے۔ جن کو وہ بزرگ تیرے لئے بطور امانت ملاح کے پاس رکھ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ ملاح نے بیان کیا کہ میں نے اُن بزرگ کے تینوں سامان حسب وصیت بھانڈ کے لڑکے کو دے دیا۔ لڑکے پر سامان ہاتھ میں لیتے ہی ایک انقلابی کیفیت نمودار ہوگئی۔ اُس نے اپنے باریک کپڑوں کو اُتار کر میری کشتی میں پھینک دیا اور کہا کہ تم میرے ان کپڑوں کو جسے چاہو بطور صدقہ دے دینا۔ اور خود اُن بزرگ کی گدڑی پہن کر اور عصا و مشک لے کر چل دیا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ع ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ملاح کا بیان ہے کہ میں اس بھانڈ کے لڑکے کی خوش نصیبی اور اپنی محرومی کا خیال کرکے رونے لگا۔ یہاں تک کہ رات آگئی اور میں روتے روتے سوگیا تو مجھے اُس رات خواب میں اللہ جل مجدہٗ کا دیدار ہوا۔ اور مجھ سے رب العزۃ جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم پر یہ گراں گزرا؟ کہ میں نے اپنے ایک گناہگار بندے پر احسان فرما کر اس کو اپنے دربار کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اے ملاح یہ میرا فضل ہے اور میں اپنا فضل جسکو چاہتا ہوں عطا فرمادیتا ہوں۔

بیشک اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ اُمّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ اسکی عطا و دین ہے۔ رہتی دنیا تک تین سو ساٹھ اولیاء اللہ اپنی ولایت پر فائز رہیں گے۔ اُن پر اقطاب ہونگے اور اُن پر چودہ ابدال اور سات اوتاد ہونگے۔ پانچ غوث اور اُن سب پر ایک غوث الاعظم ہونگے جو قطب الاقطاب ہونگے اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے قائم رہیگا۔ ع این سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

بسم اللہ العلام العظیم

دستار میں دس تار

از جناب الحاج پروفیسر محمد جلال صاحب M.A کڈپوی صدر شعبۂ عربی فارسی اُردو اسلامیہ کالج وانمباڑی

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ سالانہ جلسہ میں دستار بندی کے موقعہ پر فارغین سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے اپنے انوکھے انداز اور دلکش آواز میں اس شاہکار نظم کو سنایا جس سے اہل جلسہ بیحد محظوظ و متاثر ہوئے۔ ہدیۂ ناظرین ہے۔

رہ رہ کے آج رحمتِ حق کا نزول ہے
اِس جلسۂ سعید پہ لُطفِ رسُول ہے

اُستادوں کی مساعی کا روزِ حصول ہے
طلبا کی محنتوں کا یہ یومِ وصول ہے

یہ جلسۂ ادارۂ اقطابِ دین ہے
کیا پُر وقار جشن ہے کتنا حسین ہے

یہ آج عام و خاص کا اتنا ہجوم کیوں
تشریف آوریٔ اکابر کی دُھوم کیوں

یہ آمدِ قدومِ سعادت لزوم کیوں
دستار بندیٔ طلبائے علوم کیوں

مطلوب ائے علومِ رسالت کی قدر ہے
مقصود وارثانِ نبوت کی قدر ہے

دستار کیا ہے؟ محورِ اسرارِ علم ہے
دستار کیا ہے؟ محضرِ اقدارِ علم ہے

دستار کیا ہے؟ مصدرِ افکارِ علم ہے
دستار کیا ہے؟ مظہرِ انوارِ علم ہے

دستار کیا ہے؟ بارِ امانت کی جان ہے
دستار افتخارِ امامت کی جان ہے

دستارِ فیضِ علم میں دس تار چاہئے
قرآن اور حدیث کے انوار چاہئے
فقہ و ادب تصوّف اخیار چاہئے
تاریخ و فلسفہ کے بھی اسرار چاہئے

تعلیم و تزکیہ سے مطہر ہو تار تار
تبلیغ کی ضیا سے منور ہو تار تار

اب فارغینِ علم کی تحصیل ہو گئی
فیضِ اساتذہ سے بھی تفضیل ہو گئی
ارمانِ والدین کی تکمیل ہو گئی
مانا کہ زندگانی بھی تبدیل ہو گئی

تحصیل علم ہی ہوئی تکمیل کب ہوئی
ان فارغ علوم کو تعطیل کب ہوئی

فارغ تو مدرسہ سے ہوئے کام سے کہاں
تا زیست کام سے ہے فراغت کسے یہاں
بے کلمہ بے نماز ہے بے علم اک جہاں
بے ذکر و بے خلوص ہیں ملت کے نوجواں

اکرام و خلق ان کو سکھائے گا کون آج
ملت کی بگڑیوں کو بنائے گا کون آج

فارغ لطیفیہ کے فراغت نہیں تمہیں
بے فکریوں کی کوئی اجازت نہیں تمہیں
کیا گمرہوں سے کوئی محبت نہیں تمہیں
بے کلمہ مرنے والوں پہ شفقت نہیں تمہیں

فارغ بہ فضل رب ہوئے تحصیل ہو گئی
یعنی تمہاری آج سے تشکیل ہو گئی

ملت کو کل سے دینی معیشت سکھائیے
ایماں کی منزلوں کی تجارت سکھائیے
اسلام کی حقیقی زراعت سکھائیے
مزدور کو حقیقی ریاضت سکھائیے

ہر شعبۂ حیات میں تبلیغ دین ہو،
ہر لمحۂ حیات میں تفریغِ دین ہو،

یارب لطیفیہ کو بقائے دوام ہو | سیراب اس کے فیض سے ہر تشنہ کام ہو
ہر فیضیاب اس کا سدا شاد کام ہو | ہر فارغ اس کا صاحب عالی مقام ہو

تعلیم و تزکیہ میں فقید المثال ہو
تبلیغ میں کمال اسے ذو الجلال ہو

بہ سلسلہ صفحہ ۳۲ خدا کا علم بلا واسطہ اور نبی کا علم کون و مکان تک محدود، مگر علم الٰہی میں۔ لیکن خدا کا علم کون و مکان کی قیود ات سے منزہ۔ نبیؐ کا محدود۔ خدا کا علم لامحدود، اور نبیؐ کا علم خدا کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سمندر کے پانی کا قطرہ۔ اسی طرح تمام بنی نوع انسان کا علم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر علم کے آگے قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حاصل کلام مذکورہ دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہے۔ لیکن اس ذاتِ قدسی صفات کے سمندر علم کی گہرائی ناپنا اور آپ کی علمی جلالت اور شان و شوکت کا احاطہ کرنا انسانی قوت سے باہر ہے۔ لہٰذا حضرت امیرؔ کے ان دو شعروں پر اکتفا کئے دیتا ہوں۔

تعلیم جبرئیل امیں تھی برائے نام
دیتے تھے قدسیوں کو سبق بے پڑھے ہوئے

حضرت کا علم علم لدنی ہے اے امیرؔ
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

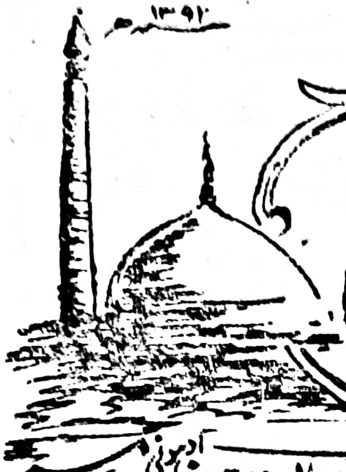

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علم غیب

حافظ محمد بشیر الحق قریشی ایم اے زمرہ نما
ادیب فاضل
دار العلوم لطیفیہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز

عصر جدید کی ذہنی پیداوار سے اسلام کے متعلق جہاں مختلف نظریات اور خیالات کی نشو و نما ہو رہی ہے اسی طرح داعیٔ اسلام کی عدیم النظیر سیرت کے بعض گوشے ہماری ذہنی سطح پر کئی ایک سوالات لئے اُبھر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں آپ کی شخصیت کا وہ درخشاں اور بے نقاب پہلو بھی شامل ہے جو علم غیب سے متعلق ہے لیکن بنظر غائر اگر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے کیونکہ علم غیب کے ثبوت پر خود الفاظ قرآنی، زبان نبوتؐ اور حیات نبویؐ کے بہت سارے واقعات شہادت پیش کر رہے ہیں۔

علم غیب دو طرح کا ہے۔ ایک علم غیب ذاتی جس کا مطلب یہ ہے کہ بالذات و بلا واسطہ یعنی وحی، الہام منام، حواس اور عقلی دلیل کے بغیر خود بخود غائب چیزوں کا علم ہو اور یہ علم ذات وحدہٗ لاشریک کے لئے خاص ہے جو تمام کلیات و جزئیات اور ممکن الوجود اور ممتنع الوجود پر محیط ہے۔ اور اس ڈھکی چھپی علمی کائنات کی پہنائیوں کا واحد رہ شناس صرف خالق کون و مکان ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک لاعلم و نا آشنا ہے۔

دوسرا علم غیب وہبی عطائی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بالذات اور بلا واسطہ خود بخود کسی چیز کا علم نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے سکھلانے سے غائب چیزوں کا علم ہو اور اسکے اندر وحی، منام، حواس، اور عقلی دلیل کی ضرورت پیش آئے اور یہی یہ اسرار علمی دنیا ہے جسکے ہمراہ اور رسم منزل کی شناسائی سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء، رسل، حتیٰ کہ بعض اولیاء کو بھی مستفید فرمایا۔

بالخصوص آنحضورؐ کو اپنے فیض و عطا سے جمیع انبیائے کرام کے مقابل اس علم کا اکثر و بیشتر حصہ عطا فرمایا جس طرح آپ کی نبوت کو عمومیت اور پھیلاؤ سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح آپ کے علم غیب کو بھی بے انتہا وسعت اور کشادگی بخشی اور ان گنت مغیبات سے نقاب اُلٹ دیا اور گلزار ہست و بود کے ہر اس ذرہ کا علم آپ پر منکشف فرمایا جس سے آپ نابلد تھے، چنانچہ قرآن اس فلسفہ کی گتھیاں یوں سلجھا رہا ہے :-

وعلمك مالم تكن تعلم۔

حاصل کلام خدائے تعالیٰ آپکے عالم غیب ہونے کی تصریح ان لفظوں میں پیش فرما رہا ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول	یعنی عالم غیب خدا ہے پس اپنے غیب کا اظہار کسی پر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جسکو منتخب کرے منکشف فرماتا ہے۔

ایک اور آیت سے بھی لگ بھگ اسی مفہوم کی وضاحت ہو رہی ہے :۔

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔	یعنی اللہ ایسے نہیں کہ تم سب پر غیب کو آشکارا کر دے لیکن وہ اپنے پسندیدہ رسولوں کو ہی غیب سے مطلع فرماتا ہے۔

مولانا الحاج محمد عبدالحامد قادری بدایونی نے (المیزان مئی ۷۲ء) میں مسئلۂ علم غیب کا نہایت عمدہ پیرایہ میں تجزیہ کرتے ہوئے یہ آیت بھی "یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا" بطور دلیل پیش کیا ہے چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں :۔

"اے نبیؐ ہم نے تم کو گواہ بنایا یعنی آپ قیامت میں امتوں کے اعمال و افعال پر گواہ ہونگے، گواہی وہی دیتا ہے جس نے واقعات کا مشاہدہ کیا ہو" یہ آیت بھی علم غیب پر دلالت کرتی ہے"۔

الغرض قرآن نے مختلف مضامین کے ذریعہ اس مسئلہ کی گرہ کشائی کی ہے۔ چنانچہ سورۂ تکویر میں ایک مقام پر آنحضورؐ کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وما ھو علی الغیب بضنین" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب کے بتلانے پر بخیل نہیں"۔ غور طلب مقام ہے بخیل کہتے ہیں ہیں اسی کو جس کے پاس زر و دولت کے انبار ہوں لیکن وہ دولت کے خرچ کرنے سے جی چراتا ہو۔

لہٰذا اس سے یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ حضورؐ کے نزدیک علم غیب کی دولت موجود ہے، بایں وجہ خدائے پاک صریح الفاظ میں یہ بیان کر رہا ہے کہ حضورؐ اس دولت کے خرچ کرنے پر بخیل نہیں ہیں۔ قرآن کے اس فرمان سے شکوک و شبہات کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور یہ آیت علم غیب کے ثبوت پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب تک تو یہ قرآنی کوشش تھی جو اس مسئلہ کے اثباتی گوشوں کی تزئین و آرائش میں برسرپیکار رہی اب آیئے دیکھیں کہ خود زبان رسالت اس علم پر کیا شہادتیں پیش کر رہی ہے، چنانچہ حضورؐ اپنی غیب دانی پر یوں رطب اللسان ہیں :۔

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما	یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو پیش کیا پس میں اس کا نظارہ کر رہا ہوں اور ان تمام چیزوں کا بھی مشاہدہ کر رہا ہوں جو دنیا میں قیامت تک رونما

ہونے والی ہیں۔ گویا یہ تمام چیزیں میں اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہا ہوں۔

اور مسلم شریف کی یہ حدیث بھی سرتاپا حضورؐ کے عالم الغیب ہونے کی غمازی کر رہی ہے۔

"عن عمرو بن الاخطب الانصاری قال صلی بنا رسول الله یوما الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیامة قال اعلمنا احفظنا"

عمرو بن اخطب انصاری یوں گویا ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمارے ساتھ ایک روز نماز فجر ادا کی اور منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ وقت ظہر آپہنچا تو منبر سے اُترے اور نماز ادا کیا پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا حتیٰ کہ وقت عصر آگیا پھر اتر کر نماز کی تکمیل کی پھر منبر پر چڑھے یہاں تک کہ سورج غروب ہوا پس خطبہ میں قیامت تک پیش آنیوالے واقعات و حوادثات کی ہمیں خبر دی۔

راوی نے فرمایا ہم سب ان تمام باتوں کو جان لئے اور حفظ کر لئے۔

علم غیب پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایکمرتبہ حضورؐ نے اپنی غیب دانی کے متعلق ارشاد فرمایا:- فعلمت علم الاولین والآخرین "یعنی میں علم اولین اور آخرین کو جان چکا ہوں"۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض رسان سے بہت سارے کلمات ایسے نکلے جو پوری وضاحت سے علم غیب کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مثلاً غزوہ خندق کی کھدائی میں ایک ایسی وسیع و عریض چٹان حائل ہوئی جس کے توڑنے سے سبھی عاجز رہ گئے تو آخر کار آنحضرتؐ نے اپنی غیبی قوت و طاقت سے تین بار سنگ شکن ضرب لگائی جس سے یہ عظیم چٹان پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ ہر ضرب پر چٹان سے روشنی نمودار ہوتی جس سے آپ مسکراتے جاتے تھے۔ اس عجیب و غریب منظر سے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیرت و استعجاب کی دنیا میں چلے گئے اور بے ساختہ اس معمہ کی عقدہ کشائی کے لئے استفسار فرمایا تو آنحضرتؐ نے اپنے پرستاروں کو ملک شام ایران روم کے فتح ہونے کا مژدہ سُنایا۔ چنانچہ اہل زمانہ نے دیکھا اور خوب دیکھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئے۔

آپؐ کے علم غیب کی وسعت کا اندازہ لگانا انسانی قوت سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ پاک کو ایسا نایاب اور پوشیدہ علم عطا فرمایا جن کے سمجھنے اور جاننے سے عقل قاصر ہے۔

آپ کی یہ تمام پیشین گوئیاں مثلاً
حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق کہ یہ مظلوم قتل ہونگے اور
حضرت علیؓ کے قاتل خارجی ہوں گے۔ شاہ فارس اور
نجاشی کی موت کی خبر۔ اور شہادتِ حسینؓ کی خبر، حتیٰ کہ
امام موصوف کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی قتل
کا جانکاہ حادثہ سرزمین کربلا میں پیش آئے گا۔ قلعہ
خیبر حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ جنگِ جمل اور صفین
کی اطلاع وغیرہ علمِ غیب کی روشن مثالیں
ہیں جن کے مطالعہ سے مشکوک اقوال کی دھجیاں بکھر جاتی
ہیں اور ان حقائق سے کوئی مکر بھی نہیں سکتا۔

علمِ غیب پر بے شمار احادیث اور واقعات
ہیں جو زبان حال سے آنحضورؐ کے علمِ غیب کو ثابت
کر رہے ہیں۔ عہدِ نبویؐ کا یہ واقعہ بھی پوری تابانی کے
ساتھ حضورؐ کے علمِ غیب کی گواہی دے رہا ہے۔

غزوۂ تبوک کے سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ حضرت ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ سوءِ اتفاق صحابیٔ
مذکور کا اونٹ سست اور کمزور ہوگیا جس سے لشکر کی
معیت فوت ہوگئی۔ آخر کار آپ ضروری سامان اپنے گدھے
پر اٹھائے ہوئے پا پیادہ لشکر گاہ کی جانب چل پڑے وہاں
سے ایک صحابی نے دیکھا کہ دور ایک شخص سامان سے لدا
ہوا اور گرد و غبار میں نہایا ہوا لشکر کی طرف چلا آرہا ہے،
اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو دی گئی تو آپ نے بلا کسی تامل کے
فرمایا کہ وہ ابوذر غفاری ہونگے، خدا ان پہ رحم کرے، وہ تنہا
چلتے ہیں، تنہا اس دنیا سے رخصت ہونگے اور انہیں تنہا ہی
اٹھایا جائے گا۔ جب وہ لشکر کے قریب ہوئے تو ان کا
دھندلا سا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔ سارے صحابہ
تصویرِ حیرت بن گئے اس لئے کہ فی الحقیقت وہ حضرت
ابوذر غفاریؓ ہی تھے۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات کے مطابق
حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی اسی سانچے میں ڈھل گئی۔
چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے صرف اپنی شریکِ حیات کے ہمراہ
زندگی کے آخری لمحات تک "زندہ" کے ایک گمنام ریگستانی
علاقہ میں بسر کیا۔ جب آپ کو اپنی موت کا یقین ہوا تو اپنی
اہلیہ سے وصیت کی کہ انتقال کے بعد میرا جنازہ سرِ راہ رکھ
دیں۔ جب کوئی رہگذر نظر آئے تو کہہ دینا کہ یہ صحابیٔ رسولؐ
ابوذرؓ ہیں۔ ان کی تدفین میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ چنانچہ حضرت
ابوذر غفاریؓ کی رحلت کے بعد ان کی اہلیہ محترمہ نے وصیت
کے مطابق جنازہ رہگذر پہ رکھ دیا اور منتظر رہی کہ کوئی آجائے

الغرض حضورؐ کے علمِ غیب کا کرشمہ دیکھیے کہ کچھ دیر
بعد وہاں سے ایک قافلہ کا گذر ہوا جس میں صحابی رسولؐ حضرت
عبداللہؓ ابن مسعود بھی تھے۔ آپ اس ویران مقام میں تن تنہا
بے یار و مددگار ایک نقاب پوش خاتون اور جنازہ کو دیکھ کر
حیران ہوئے اور قریب آکر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا جنازہ
ہے؟ عورت نے عرض کیا صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاری
کا ہے۔ ابھی یہ نسوانی کلمات عبداللہ بن مسعود کے پردۂ
سماعت سے ٹکرائے بھی نہ تھے کہ فوراً آپ کے سطحِ ذہن

پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ مقدسہ اُبھرنے لگے، جو غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوذر غفاریؓ کی شان میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ تنہا چلتے ہیں، تنہا راہی ملک بقا ہونگے اور انہیں تنہا ہی اٹھایا جائیگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول صادق کی کرشمہ سازی کا من وعن مشاہدہ کر کے محو حیرت رہ گئے۔ اور ان کی زبان سے بے ساختہ کلمۂ شہادت کے الفاظ نکلے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسی غیر آباد مقام میں سپرد خاک کیا گیا۔

الغرض مذکورہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں وقوع پذیر ہوا۔ اس طویل مدت میں زمانے نے کئی کروٹ لی لیکن سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کا قول اپنی جگہ بالکل اٹل اور صحیح سالم رہا۔ اور اس پیش گوئی نے دنیا کو ایک ایسا ٹھوس درس دیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تا گردش آفتاب صداقت وحقانیت کے آئینہ دار رہینگے۔

یہ تو رہا تصویر کا ایک رُخ۔ اس کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیے، جس کے اندر نفی علم غیب کے عناصر چھپے ہوئے ہیں، مثلاً خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد :—

قل لا یعلم من السموات والارض الغیب الا اللہ۔ | یعنی کہہ دیجیئے اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت میں علم غیب کی جو نفی ہو رہی ہے وہ علم غیب ذاتی کی ہے اور آیت کا مطلب ومنشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور علم غیب کو بالذات اور بلا واسطہ نہیں جانتا۔

اور اس میں خدا کے ساتھ جس غیب کا اختصاص ہو رہا ہے اس سے مراد علم ذاتی ہے لیکن اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضورؐ یا کسی نبی اور رسول کو علم غیب نہیں ہے، ایسا نہیں کیونکہ ان نفوس قدسیہ کو بھی حق تعالیٰ نے علم غیب کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ آیۃ میں علم عطائی کی نفی نہیں بلکہ علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے، اور علم عطائی آنحضورؐ اور دیگر انبیاء ورسل کو حاصل ہے۔ چنانچہ اس آیت کی وضاحت حضور علیہ السلام کے اس قول سے بخوبی ہو رہی ہے انی لا اعلم الا ما علمنی ربی یعنی بے شک میں کسی غیبی چیز کو نہیں جانتا، مگر وہی چیز جسکو میرا پروردگار مجھے سکھلائے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطائی حاصل ہے۔

زبدۃ العارفین، سراج السالکین اعلحضرت مولانا مولوی حافظ سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی المعروف بہ قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "فصل الخطاب بین الخطاء والصواب" کے فائدے ۲۹ میں مسئلۂ علم غیب پر قرآن اور احادیث کی روشنی میں فاضلانہ بحث کی ہے اور آپ بھی اس آیت میں علم ذاتی کی نفی مراد لی ہے۔ اسی آیت کے تحت حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے امام نووی علیہ الرحمہ کا ایک جواب بھی پیش کیا ہے، جو امام موصوف نے کسی سائل کو مرحمت فرمایا تھا۔ لہٰذا میں بھی وہی سوال بجنسہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں تاکہ مسئلہ کی مزید وضاحت ہو سکے۔

سوال

مامعنی قولہ تعالیٰ قل لا یعلم مافی السموٰت والارض الغیب الا اللہ وقول النبی ﷺ لا یعلم مافی غدٍ الا اللہ واشباہ ھذا من القرآن والحدیث مع انہ قد وقع ما غد فی معجزات النبی و کرامات الاولیاء؟

سوال

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا معنی کہ کہہ دو اے نبی آسمانوں اور زمین میں جو غیب کی باتیں ہیں اسکا جاننے والا صرف خدا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی کہ کل کے دن جو کچھ ہونے والا ہے اسکو صرف خدا ہی جانتا ہے اور اس کے مشابہ جو قرآن

الجواب

معناہ انہ لا یعلم ذلک استقلالاً الا اللہ اما المعجزات و الکرامات محصلت باعلام اللہ الانبیاء والاولیاء ولا استقلال لھم

اس کا معنی یہ ہے کہ بلا شبہ اس کو خدا کے سوا کوئی بالذات اور مستقل نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات انبیاء اور اولیاء کے لئے پس خدا کے بتلانے سے حاصل ہیں اور ان کے لئے یہ علم بالذات اور مستقل نہیں۔

الغرض قرآن اور احادیث میں جہاں بھی علم غیب کی نفی ہو رہی ہے اس علم ذاتی کی نفی مراد ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علم غیب ذاتی صرف خدا کو حاصل ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء رسل یا اولیاء سے جو علم غیب ثابت ہو رہا ہے وہ علم غیب وہبی اور عطائی ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس وسعت علم کا اندازہ لگانا ایک مشکل امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ پر علم وحکمت کے ایسے پوشیدہ اور سربستہ خزائن کھول دیا جس کا عشر عشیر بھی کسی اور نبی یا رسول کو نصیب نہیں ہوا اس کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے جسکے اندر خدا نے ان پانچ چیزوں کا علم صرف اپنے لئے مخصوص کیا ہے۔

ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔

بے شک قیامت کا علم خدا کے نزدیک ہے اور وہی بارش کا نزول فرماتا ہے اور وہی رحم مادہ (اسکے اندر لڑکا ہے یا لڑکی) کا علم رکھتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کریگا! اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اسکی موت کس زمین میں ہوگی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

احادیث کے مضامین اور واقعات اسبات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ چیزوں کا علم بھی اپنے حبیب پاک حضور علیہ السلام سے صیغۂ راز میں نہیں رکھا۔ لیکن یہ مختصر مضمون اسکی تفصیل و وضاحت کا متحمل

نہیں، لہٰذا ہر چیز کی جانب ضمناً و کنایۃً اشارہ کئے دیتا ہوں، مزید تفصیل کے لئے صحاح ستہ کی جانب رجوع فرمائیں۔

قیامت کے متعلق آنحضرتؐ نے چند علامات، اور نشانیاں متعین فرمائی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی چیز کے نشان وہی دکھا سکتا ہے جس کے متعلق اسے کچھ نہ کچھ علم ہو لہٰذا آپ کی یہ پیشین گوئیاں اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ آپ کو قیامت کے بارے میں معلومات ہیں۔

مثلاً قیامت کے قریب ننگے پیر اور ننگے بدن والے اور بکریاں چرانے والے صاحب ثروت ہوں گے، اور بلند بلند عمارات تعمیر کرینگے اور مذہب ملت کی باگ ڈور بے دین اور بداخلاق لوگوں میں رہے گی۔ زنا شراب جوا، فحاشی اور بدکاری لوگوں میں کثرت سے ہوگی۔ مساجد میں دنیوی گفتگو ہوگی۔ والدین کی تعظیم و تکریم اور ان کا احترام لوگوں کے دلوں سے ختم ہو جائے گا۔ شوہر اپنی بیوی کا مطیع و فرماں بردار رہے گا وغیرہ۔

ترمذی شریف کی ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر فتنہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ کیا گیا ہے اسی میں یہ خبر بھی ملتی ہے کہ آپ نے نزول بارش کی اطلاع دی ہے۔

اور حضورؐ نے امام مہدی اور امام حسنؓ کی ولادت کی خبر دی ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق فرماتے ہیں تلد فاطمہ انشاء اللہ تعالیٰ غلاما یکون فی حجرك۔

"اور کل کیا ہوگا" اسکی خبر آنحضورؐ نے فتح خیبر کے موقعہ پر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کل کے دن "علم" ایک ایسے شخص کو عطا کرونگا جسکے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا۔ یہ سعادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ فرمان نبی کے مطابق خیبر آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

اور "بای ارض تموت" کی خبر بھی آنحضورؐ نے جنگ بدر کے موقعہ پہ دی ہے کہ فلاں صحابی اس جگہ شہید ہوں گے اور فلاں اس جگہ گرینگے۔ چنانچہ آنحضورؐ نے جن جن مقامات کی نشان دہی کی تھی میدان جنگ میں صحابہ انہیں مقامات پر شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ یہ میدان کربلا میں شہید ہونگے۔

الغرض آنحضورؐ کا یہ تمام وسعت علم خدا کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے حبیب پاک پر تمام چیزوں کا افشا کیا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد ممکن ہے بعض ناظرین کو شبہ ہو کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب ہے تو خدا اور نبیؐ کے درمیان مابہ الامتیاز کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ جس کا لازمی نتیجہ شرک ہوگا۔ لیکن ان مغالطہ آمیز تصورات کا واحد حل یہ ہے کہ علم غیب کے اندر ہمیں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس علم کی دو شق ہیں، پہلی شق یعنی علم غیب ذاتی جو صرف وحدہٗ لاشریک کے لئے خاص ہے اس کے اندر کوئی فرد شریک نہیں اور دوسری شق یعنے علم غیب عطائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء رسل اولیاء کو حاصل ہے۔

اس کے علاوہ آنحضورؐ اور دیگر انبیاء و رسل کا علم بالذات اور خود بخود نہیں لیکن اس کے برعکس خدا کا علم بالذات اور خود بخود ہے اور نبیؐ کا علم بالواسطہ لیکن

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدۂ غوثیہ

قصیدۂ متبرکہ جس کو خود سیدنا حضور غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیف اور استغراق کے عالم میں ارشاد فرمایا تھا اسکے بیشمار فضائل ہیں۔ اگر کوئی شخص خلوص قلب اور سچی عقیدت سے ہر روز اکتالیس مرتبہ پڑھے تو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور اس قصیدے کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے والے کو عالم خواب میں حضور غوث الاعظم دستگیر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہو گی۔ ان گوناگوں فضیلتوں کے پیش نظر اس انمول گہر کو لئے ہوئے الطیف کی مبارک و مسعود محفل میں شریک ہو رہا ہوں۔

نیاز کیش :- سید مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلور

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ	فَقُلْتُ لِخَمْرَتِی نَحْوِی تَعَالِ
پلایا مجھکو محبت نے وصال کے پیالے	پس کہا میں نے اپنی تشنہ سے اسی طرح میری جانب آ
سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِی فِی کُؤُسٍ	فَهِمْتُ بِسُکْرَتِی بَیْنَ الْمَوَالِ
سعی کی اور چلی میری طرف پیالوں میں	پس حیران ہوا میں اس کے نشہ سے دوستوں میں
فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْ	بِحَالِی وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِ
پس کہا میں جملہ قطب حضرات کو کہ قریب جمع ہو جاؤ	اور خوش ہو میرے حال پر اور میرے آدمیو تمیں داخل ہو جاؤ
وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِی	فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِی مُلَالِ
اور قصد کرو اور پیو، تم میرا لشکر ہو	پس قوم کا ساقی جام بھر کر دے رہا ہے

شربتم فضلتي من بعد سكري ‎ ‎ ولا نلتم علوي واتصالي

پیا تم نے میری بچی ہوئی شراب میرے نشہ کے بعد ‎ ‎ اور نہیں پہنچے تم میری بلندی اور قرب و اتصال کو

مقامكم العلى جمعا ولكن ‎ ‎ مقامي فوقكم ما زال عالي

مقام تمہارے بلند ہیں سب کے لیکن ‎ ‎ میرا مقام تم سے بھی بلند ہے جسکی ہمیشہ بلندی زائل ہوگی

أنا في حضرة التقريب وحدي ‎ ‎ يصرفني وحسبي ذو الجلال

میں مقام قرب رب میں واحد و یکتا ہوں ‎ ‎ پلٹ گیا ہوں عالم سے میرے لئے ذو الجلال کافی ہے

أنا البازي أشهب كل شيخ ‎ ‎ ومن ذا في الرجال أعطى مثالي

میں بازی اشہب (تیز) ہوں سب شیخوں (بوڑھوں) میں ‎ ‎ کون ہے آدمیوں میں جسکو میرے جیسا درجہ عطا ہوا ہو

كساني خلعة بطراز عزم ‎ ‎ وتوجني بتيجان الكمال

پہنایا گیا مجھکو خلعت جاذب نظر نقش و نگار کا ‎ ‎ اور تاج پہنایا گیا مجھے کمال کے تاجوں میں سے

وأطلعني على سر قديم ‎ ‎ وقلدني وأعطاني سؤالي

اور اطلاع دی گئی مجھے قدیم راز کے متعلق ‎ ‎ اور گردن میں کڑا ڈالا اور عطا کیا مجھے جو میں چاہا

وولاني على الأقطاب جمعا ‎ ‎ فحكمي نافذ في كل حال

اور ولی و حاکم بنایا مجھے تمام قطبوں پر ‎ ‎ پس میرا حکم جاری ہے ہر حال میں

ولو ألقيت سري في بحار ‎ ‎ لصار الكل غورا في زوال

اور اگر ڈالوں میں اپنا راز دریاؤں میں ‎ ‎ تمام ہو جائینگے گڑھے اور زوال میں آجائینگے

ولو ألقيت سري في جبال ‎ ‎ لدكت واختفت بين الرمال

اور اگر ڈالوں اپنا راز پہاڑوں میں ‎ ‎ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے اور کنکریاں ہو جائینگے

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ — لَخَمَدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِ

اور اگر ڈالوں اپنا راز آگ پر — ٹھنڈی ہو جائیگی اور بجھ جائیگی حالت راز کیوجہ سے

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ — لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالِ

اور اگر ڈالوں میں اپنا راز مُردہ پر — اللہ تعٰالیٰ کی قدرت سے کھڑا ہو جائے گا

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ — تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلاَّ اَتَالِ

اور نہیں ہے کوئی مہینہ (شہر) اور زمانہ — گذرتا ہے اور چلا جاتا ہے مگر میرے پاس آتا ہے

وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاتِیْ وَیَجْرِیْ — وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِ

اور خبر دیتا ہے مجھکو جو کچھ آنے والا ہے اور جاری ہونیوالا ہے — اور معلوم کراتا ہے مجھے پس جھگڑا کرنے سے رُک جا

مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ — وَافْعَلْ مَا تَشَآءُ فَالْاِسْمُ عَالِ

میرے مرید خوش ہو اور مسرت کر اور مسرور ہو اور بے پرواہ ہو جا — اور کر جو چاہتا ہے میرا بلند نام ہے

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ ۔ اَللّٰهُ رَبِّیْ — اَتَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَعَالِ

میرے مُرید خوف مت کر، اللہ میرا مُربی ہے — عطا کیا ہے مجھے بلندی پہنچا ہوں میں بلندیوں پر

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ — وَشَاؤُشُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِ

میرے نقارے آسمانوں اور زمینوں میں بجتے ہیں — اور سعادت کے نقیب وشاوش ظاہر کرتے ہیں یعنی شہرت کرتے رہتے ہیں

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ — وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَالِ

اللہ کے شہر میرا ملک اور میرے حکم کے تحت ہیں — اور قبل از وقت میرا قلب مصفا کر دیا گیا

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا — کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

دیکھا ہیں تمام اللہ کے شہروں کی طرف — رائی کے مانند ہیں جو حکم اتصال سے جمع ہیں

وَكُلُّ وَلِيٍّ عَلٰى قَدَمٍ وَاِنِّيْ — عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

اور ہر ولی میرے قدم پر اور میں — قدم پر نبی کے جو آسمان کمال کے بدر ہیں

مُرِيْدِيْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّيْ — عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

میرے مرید مت خوف کر مصیبت سے کیوں کہ میں — ارادہ کا مضبوط اور قاتل ہوں، قتال کے وقت

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْبًا — وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَى الْمَوَالِ

پڑھا علم یہاں تک کہ قطب ہوگیا — اور پایا مقام سعد اپنے مولاؤں کے مولا سے

فَمَنْ مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ مِثْلِيْ — وَمَنْ فِي الْعِلْمِ وَالتَّصْرِيْفِ حَالِ

پس کون ہیں اولیاء اللہ میں میرے جیسا — اور کون ہے علم اور تصرف اور حال ہیں

كَذَا ابْنُ الرِّفَاعِيْ كَانَ مِنِّيْ — فَيَسْلُكُ فِيْ طَرِيْقِيْ وَاشْتِغَالِ

ابن رفاعی مجھ سے تھے — پس چلتے تھے میرے طریقہ اور شغل پر

اَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِيْ — وَاَقْدَامِيْ عَلٰى عُنُقِ الرِّجَالِ

میں حسنی ہوں اور حجرہ خاص میرا مقام ہے — اور میرے قدم لوگوں کی گردن پر ہیں

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِيْ — وَجَدِّيْ صَاحِبُ الْعَيْنِ الْكَمَالِ

اور عبدالقادر میرا مشہور نام ہے — اور میرے دادا انتہائے کمال کے مالک صاحب ہیں

اَنَا الْجِيْلِيُّ مُحْيُ الدِّيْنِ اِسْمِيْ

میں جیلان کا رہنے والا محی الدین میرا نام ہے

وَاَعْلَامِيْ عَلٰى رَاْسِ الْجِبَالِ

اور میرے جھنڈے پہاڑ کی چوٹی پر لہرا رہے ہیں

قرآن پاک کا تاریخی اعجاز

از

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ

آج سے اکیس سال قبل علامہ کا یہ فصیح وبلیغ مؤثر مضمون ۱۹۵۱ء ماہ جنوری میں جریدہ "امام" میں شائع ہوا تھا، اسکی اثرانگیزی وافادیت کے پیش نظر ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔۔۔۔ بخاری عفا اللہ عنہ

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کئے ہیں۔ حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا۔ حضرت شعیبؑ اور لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے آگ برسائی۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزے نے فرعون کو بحر احمر کا طعمہ (لقمہ) بنایا، عصائے موسیٰ کی کارفرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا۔ اور بحر احمر کے دو ٹکڑے کر دئے۔ دم عیسیٰ نے جنم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کر دیا۔ فرش موت کے سونے والوں کو جگایا، اور قبر کے مُردوں کو "باذن اللہ" کہہ کر جلایا۔ یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہو گئے، برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا۔ لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزے نے قوموں کو ہلاک کرنے کی بجائے ان کو حیات تازہ بخشی۔ پتھروں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا، اور بنی آدم کی پوری جمعیت کو غفلت وبیہوشی کی نیند سے جگا کر ہوشیار اور کفر وشرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا، یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہو کر غائب نہیں ہو گیا۔ یہ ید بیضا عصائے موسیٰ اور دم عیسیٰ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں۔ یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہزارہا سال تک ممتد ومتواتر واقعیت بن کر دنیا، اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دین اور آخری صحیفہ لیکر اور نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے بعد نہ کوئی نیا دین آنے والا اور نہ کوئی نئی کتاب اترنے والی اور نہ کوئی نئی نبوت مبعوث ہونے والی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی کہ دوسرے انبیا علیہم السلام کی طرح آپ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ کی نبوت کا نور چمکتا رہے اسکی روشنی بھی قائم رہے۔ چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے

سکے علاوہ آپ کو ایسا خاص معجزہ بخشا گیا جو قیامت تک باقی اور قائم رہنے والا ہے۔ قرآن نے تحدّی کی ہے کہ میں اپنے رسول و پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں۔ جن و انس ملکر بھی چاہیں تو مجھ جیسی کتاب کی ایک سورت بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ اس اعلان پر پوری ۱۴ صدیاں گذر چکی ہیں، مگر اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشہ میں اس کے جواب میں خاموشی چھائی ہے۔

یہاں بھی عقل و فلسفہ کی نکتہ آرائیوں سے بچ کر آئیے۔ تاریخ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں۔ قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سرزمین میں سب سے جاہل قوم پر اترا۔ جو علم و تمدن سے عاری، دولت و ثروت سے خالی، سامان و اسلحہ سے محروم، اور ہر قسم کی دنیوی و مادی طاقت سے تہی مایہ تھی۔

قرآن نے ۱۳ برس تک کبھی پہاڑیوں کے غاروں سے اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے انسانیت کو آوازیں دیں، اس طویل مدت میں اس کے پکار کے جواب میں سب و شتم سنگریزے اور پتھر، تیر و تبر اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی۔ لیکن جونہی چودھویں برس کا چاند طلوع ہوا اس کی روشنی ماہِ شب چہار دہم بن کر نمودار ہوئی اور چند سال کے عرصہ میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعۂ نور بن گیا۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی تعلیم میں ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو دنیا کی عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا۔ چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا قرآن کے جاننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانے سے لیکر بحر اطلانٹک کی ساحل تک پھیلے ہوئے تھے، دنیا کی کایا پلٹ دی۔ تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلے علم، شرک و کفر کی بجائے خدا پرستی آئی۔ دنیا کی سب سے غریب اور مفلس قوم سب سے بڑی دولتمند، اور سب سے نادان اور جاہل و وحشی قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہو گئی۔ دنیا کی سب سے ضعیف اور کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہو گئی۔ وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہ ہوا اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا، عرب و عجم، ترک و دیلم، حبش و زنگ، ہند و سندھ، جس نے بھی قرآن کو اپنے سینہ سے لگایا اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا۔ تخت شاہی کو اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا اور حکومت کا تاج اپنے فرقِ شاہی پر رکھا۔ عربوں کی کیا بساط تھی دیلم کو کون جانتا تھا، سلجوق سے کون واقف تھا، غور و غلج و تغلق کس شمار میں تھے، کرد کس گنتی میں تھے؟ خوارزم شاہی اتابکی اور مصر کے بحری ممالک اور ہندستان کے ترکی غلاموں کی کیا حیثیت تھی؟ اور مٹھی بھر آوارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خان جس کی اولاد نے یوروپ و ایشیا اور افریقہ، دنیا کے تین براعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی۔ اسلام سے پہلے کیا تھا۔ مگر جب انہوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے سامنے جھکایا، تو

دنیا کے شہنشاہوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکادیں۔

عربوں کا تمدن کیا تھا؟ افریقہ کے وحشیوں کا رتبہ کیا تھا؟ بربر کی بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا۔ ترک وتاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے۔ مگر دیکھو کہ جب قرآن نے ان کے سر پہ سایہ ڈالا تو انہیں کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں۔ بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے، علوم وفنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن وتہذیب کے نقش ونگار اور آثار نمودار ہونے لگے۔ فلسفہ وعقل کی جلوہ آرائی ہوئی، علم وفن نے ترقی کی، بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے۔ پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی اور ان کی بری وبحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پہ قبضہ کرلیا۔ ان سب سے ماوراء اور مادہ ومادیات سے ہٹکر انسانی اخلاق وآداب میں اسی قرآن کی تعلیم وہدایات سے تکمیل کا درجہ پایا۔ عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کے سبق ازبر ہوئے، اور اہل جہاں کی آنکھوں کو وہ منظر دکھادیا جس کو آغاز آفرینش سے آج تک انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملادیا اور حسب ونسب، قومیت ووطن، پستی وبلندی، شاہی وگدائی کی ہر قسم کی نشیب وفراز کو مٹا کر قرآن والوں کی برادری اور واحد قومیت پیدا کردی، جس کا وطن دنیا کا ہر ملک اور جس کا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑدیا۔ بتوں کے ہیکل مسمار کردئے ستارہ پرستی کا چراغ گل کردیا۔ انسانی جانوں کی قربانی موقوف کردی۔ دختر کشی کی رسم کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ عورتوں کو عزت دی۔ غلاموں کو آزادی اور غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لئے صرف ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقی اور سعادتوں کا زینہ بنادیا اور بتایا کہ انسانی سعادت کی شاہ راہ غاروں، خلوتوں اور پہاڑوں سے ہوکر نہیں گذرتی، بلکہ شہروں، بازاروں، مجموعوں، اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گذرتی ہے۔ حق کی نصرت، انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی، غریبوں کی امداد، بیکسوں کی دستگیری، مظلوموں کی فریادرسی، اور غلاموں کی آزادی ہی نیکیوں کی جڑیں ہیں۔ اور اس راہ میں ہر قسم کی جدوجہد، زحمت کشی ومحنت، ایثار وقربانی اصل نفس کشی وریاضت ہے۔

اور سب سے آخر میں، اور سب سے بڑھ کر اس نے مسلمانوں کو اللہ کے آستانۂ اقدس کے سوا دنیوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کردیا۔ خدائے قادر کی قدرت کے سوا ہر قدرت سے بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پروا ہوگئے۔ انہوں نے فرعونوں کو دریا میں ڈھکیل دیا۔ نمرودوں کے تخت کو الٹ دئے۔ ہامانوں کی سلطنتیں چھین لیں اور شدادوں کی بہشت پر قبضہ کرلیا، اور وہ یہ سب کچھ اس لئے کرسکے کہ انہوں نے سب جھمیلوں کے ساتھ ہر رشتۂ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا اور ان کے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی ورضامندی تھی تو اللہ بھی ان سے

خوش ہوا اور اپنے خوشنودی کا ہر خزانہ ان کے لئے کھول دیا۔

قرآن نے اللہ والوں کی جماعت پیدا کی جو اللہ ہی کے لئے کرتی اور چھوڑتی تھی اور اللہ ہی کے لئے دیتی تھی اور لیتی تھی اور اسی کے لئے جیتی تھی اور مرتی تھی۔

مسلمانو! ربانی قوت کا سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھوں میں ہے، ہمت کرو، اور ادب سے اس کے اوراق کھولو، اس کے معنوں کو سمجھو، اس کی باتوں پر یقین کرو، اور اس کے حکموں کو مانو، اور عمل کرو، پھر دیکھو تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔ والسلام

ھو الودود

نذرانۂ عقیدت

دربارگاہِ واصلِ حق

شیخ الشیوخ حضورِ پرنور جامع شریعت وطریقت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین، عمدۃ الکاملین رہبر کامل قطب زمان مرشدنا ومولانا حافظ وحاجی

ابو الفتح سلطان محی الدین عبد القادر مرشد القادری

قدس اللہ سرہ العزیز

از

جناب شیخ عبد الرحیم صاحب کامی تحصیلدار ویلور ضلع شمالی آرکاٹ

ظلِ عاطفت بر سرِ مریدان ومعتقدان دائما مبسوط باد

ھوالقـدیـر

اک منظرِ جاں سوز ہے حضرت کا مکاں آج
اے برقِ اجل دیکھ نشاں تیرے ستم کا
بدلا ہوا عالم ہے فضائیں ہیں پریشاں
ہے جاذبِ بینائی مہرومہ و انجم
ھنگامۂ طوفاں ہے جذبات جنوں میں
تقدیر سے راضی ہوں سکونِ دل کا لٹا کر
اُجڑے ہوئے غنچوں کی طرح میری نیاز ہیں
یہ مسجد و محراب کی خاموشیٔ حسرت
تھی زینۂ منبر کو بھی زینت ترے پا سے
باقی ہے زبانوں پہ ابھی تیرا فسانہ
گرمی ترے آغوش کی باقی ہے رگوں میں

حسرت ہے سراپا مری جنت کا نشاں آج
اُجڑے ہوئے ارماں کا اُبھرتا ہے سماں آج
ہیں نالہ کناں خندہ جبینانِ مکاں آج
اک مرقدِ پر نور ہے نظارہ کناں آج
اے جانِ عقیدت ترا ہوتا ہے بیاں آج
سودا تری اُلفت کا ہوا کتنا گراں آج
کھلنے بھی نہ پائے تھے ہیں پامالِ خزاں آج
ہم کاش سمجھتے جو یہ اندازِ فغاں آج
ہے نالۂ دلگیر مؤذن کی اذاں آج
ناسورِ جگر تازہ ہے سینوں میں نہاں آج
دامانِ تصرف کا ہوں ممنونِ اماں آج

تھا شامِ غمِ فرقت فریاد کناں کا بھی
کچھ لطف تھا ہستی کا ہوا وہ بھی رواں آج

فوق از دیدِ ھلالِ سالِ نو آزار نیست
منظرِ روئے شفق چوں خونِ آلودہ نمود
یہ ھلالِ سالِ نو دل سوز اک تصویر تھی
یہ طلوعِ سالِ نو تھا یا طلوعِ صبحِ غم
آہ تاریخِ محرم بھی بڑی سنگین ہے

ناخنِ دیگر برائے زخمِ دل در کار نیست
یادِ خونِ آرزوئے وصل گردیدہ نمود
خونِ ارماں سے مرے بھیگی ہوئی شمشیر تھی
جس طرف ڈالی نظر ظاہر تھے آثارِ الم
خونِ مظلومانِ اہلِ بیت سے رنگین ہے

ہے یہ تاریخِ شہیداں اور شیرانِ خدا　　اور تاریخِ وصالِ مقتدایانِ صفا

پھر اسی تاریخ کے اوراق اُلٹانا ہے آج
ایک مردِ باصفا کا حال سنوانا ہے آج

ہم نوا سُن لے مری تقدیر کی ہے داستاں　　اک پریشاں خواب کی تعبیر کی ہے داستاں

روز و شب میرا قلم پھر تشنۂ تحریر ہے　　اک خیالِ صورتِ پُرنور کی تاثیر ہے

ہے تخیّل میں کبھی عنواں مکان و لامکاں　　اور کبھی ہوتا ہے عنوانِ حیاتِ جاوداں

پھر کبھی آتا ہے عنواں زندگی اور موت کا　　اور کبھی مُشتاق ہوں رازِ حیات و فوت کا

کیوں بہارِ زندگانی سے بھی دل بیزار ہے　　چرخِ گردوں کیوں ابھی تک درپئے آزار ہے

اب گلستاں میں خزاں ہو یا بہارِ جاوداں　　ہے مجھے پرواہ ہی کیا جب جل گیا ہو آشیاں

اک خلاء کو گھورتا رہتا ہوں میں اب روز و شب　　یاد کچھ آتا نہیں اپنا ہی اب نام و نسب

اب نظر کے سامنے بس ایک ہی تصویر ہے　　اک رُخِ پُرنور کی گھیری ہوئی تنویر ہے

زلزلہ ایسا ہوا اک ہل گئی دُنیا مری　　اک شرار اُٹھا جگر سے جل گئی دُنیا مری

سالِ نو وقتِ سحر آمد نسیمے از شمال　　بے لطافت سُست رَو بے نکہت و کیف و کمال

روز تھا بارہ محرّم چہار شنبہ صبحدم　　اک پیامِ رُوح فرسا آمد از مُلکِ عدم

مرشد و ہادی و رہبر سے یہ غم منسوب تھا　　تیز اتنا آ رہا تھا پھر بھی کیا محجوب تھا

بوالفتح سلطان محی الدین کنیت اور لقب
عبدِ قادر اسمِ اعلیٰ حضرتِ والانسب

خاکپائے اُو برائے چشمِ ما کحل البصر　　وز ضیائے اُو شود حاصل نشانِ رہگذر

مرکز و آئینۂ اوصاف و خُلقِ احمدی
جب ہُوا تیرہ سو اُنچالیس ہجری میں یہاں ۱۳۳۹ھ
تھیں بہاروں پہ بہاریں عین اُنچالیس سال
دارِ فانی میں رہا جبتک وجُودِ جان و تن
بزم اُسکی فی الحقیقت رُوح کا عشرت کدہ
زندگی گویا احادیث و سنن کی ترجماں
کیا کرے میری زباں انفاسِ قُدسی کا بیاں
ذات اسکی مخزنِ اسرارِ ذاتِ کردگار
اک فقیرِ بے ہوس اور جدِّ اعلےٰ کا امین
مسلکِ اعلیٰ کو کیا سمجھے گا کوئی نکتہ چیں
جاں قدم رکھا بہارِ جاوداں آتی رہی
دوستوں کے واسطے اک سایۂ عالی وقار
حاسدوں کی سازشیں بھی درپئے آزار تھیں
شیوۂ تنبیہ میں تھا ایک اندازِ کمال
آشیانہ جل رہا تھا' یہ عفو کرتا رہا
شیوۂ عُمر بانوازی بے نیازِ قیل و قال
اک نگاہِ تیز رَو ایسی کہ دیدہ یار کو
تھے ہمیشہ واقفِ اسرارِ موت و زندگی
جسم کو گھیرا تقاضائے مآلِ آخری

نورِ عینِ حیدری حسنی حُسینی قادری
مسندِ اعلیٰ پہ یہ شمسِ ہدایت ضوفشاں
اور تیرہ سو اٹھہتر میں وصالِ پُر ملال ۱۳۷۸ھ
رات دن ہوتے رہے انوار اسکے ضوفگن
اور ہر شاہ و گدا کے واسطے رحمت کدہ
مومنوں کے واسطے ہے رہبری کا اک نشاں
ہر نفس تھا حاملِ ذکرِ الٰہی بے گماں
عبدیت کی شان پہ مدّاح خود پروردگار
صاحبِ دل درغنائے دولتِ دنیا و دیں
تھا فقیرِ فرش نشیں پر آشنائے عرش نشیں
اک نظر ڈالی اگر تو بس خزاں جاتی رہی
دشمنوں کے واسطے اک بحرِ الست بے کنار
لیکن اوصافِ رحیمی اسکے رُو بہ کار تھیں
اور عفو کا مرتبہ کتنا بلند و بے مثال
اور ہمیں خُلقِ محمد کا پتہ ملتا رہا
خادماں پہ آپ کی ذرّہ نوازی بے مثال
چیرتی جاتی تھی ہر اک پردۂ اسرار کو
اور گاہے گاہے کبھی دیتے تھے بیانِ واقعی
اور اطبّا کر رہے تھے جب تدابیرِ فزی

نہ طبیعت میں کبھی دیکھا گیا کچھ اضطراب
نہ کبھی دیکھا گیا ان کی جبیں پہ اک عتاب

کہہ دیا درماں ابھی تک طالبِ تاثیر ہے
ہفتہ عشرہ کے لئے کیوں زحمتِ تدبیر ہے

قولِ صادق تھا حقیقت کا محض اقرار تھا
چند لفظوں کا مکمل جملۂ اظہار تھا

منزلِ نقلِ مکاں پر کچھ نہیں تھا مانگنا
اس نے راضی بر رضا ہو کر کیا تھا سامنا

رہ گئی اک رفعتِ صبر و تحمّل کی مثال
اور عالی ہمتی کا اک نمونہ لازوال

رُوحِ پُر انوار کا جب لامکاں مسکن ہُوا
بر سرِ مغرب سپردِ خاک اُس کا تن ہُوا

دیکھتے ہی دیکھتے بس جسمِ اطہر کھو گیا
الغرض آنکھوں سے اوجھل مادہ اک ہو گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

گوشۂ مغرب میں سورج ماند ہو کر رہ گیا
رات کے پردے گرے اور اک اندھیرا ہو گیا

شامِ غم تھا بوالحسن کامی سے محوِ گفتگو
کچھ بہار زندگی کی تھی پریشان جستجو

آنکھ تھی بھیگی ہوئی، آواز بھرّائی ہوئی
مرشدِ مرحوم کی تھی یاد پھر آئی ہوئی

ایک جملہ پیر نے فی الفور یوں فرما دیا
"زندگی کا لطف جو باقی تھا، وہ جاتا رہا"

مختصر جُملہ تھا لیکن کیا ہی معنی خیز تھا
سننے والے کے لئے کتنا اثر انگیز تھا

نیز حضرت پیر نے اک اور جُملہ بھی کہا
ہے یہ اربابِ نظر کے واسطے سنئے ذرا

ہر نفس پر جی کے مرنا، مر کے جینے کی مجال
پیر سے سیکھا ہے ہم نے جینے مرنے کا کمال

ان سے سیکھی ہم نے شانِ زندگی و بندگی
ان کے دَم سے ہے ابھی تک جسم و جاں میں تازگی

تھے وہ مردِ کامل و دانائے اسرارِ وجود
زندگی ان کی تھی گویا اک چمن زارِ وجود

ایک وہ ہستی کہ ہے وابستہ سرِّ وجود
اور بذاتِ خود سراپا منبعِ نورِ وجود

راہیٔ مُلکِ عدم گو ہم کہ فانی فی الوجود
بارہا از قیدِ خاکی یا کہ باقی بالوجود

خلق کو مظہر کہو موجود یا ظلّ الوجود
گہ مقیّد گاہ مطلق گہ جلال و گہ جمال
گاہ موجودِ شہود و گاہ مفقودِ شہود
گاہ با قیدِ مقام و مسکن و وقت و زماں
اب بھی خلقت میں ہے باقی ایک وہ عالی وجود
ایک شکل عارضی ہے، زندگی کا مرحلہ
زندگانی کا معمہ مخزنِ اسرار ہے
ابنِ آدم ڈھونڈتا پھرتا رہا اپنا شرف
گر حدیثِ مَن عَرَف کا حاشیہ درکار ہے
اک وجودِ غیرِ فانی کا فسانہ رہ گیا
بس خیالوں میں تصوّر نور افشاں رہ گیا
شاملِ اصلِ وجود ہو کر یگانہ رہ گیا

مختلف ہوں شکل لیکن ایک ہے اصلِ وجود
گاہ ظاہر گاہ باطن، گہ شہود و گہ مثال
گاہ موجودِ وجود و گاہ مفقودِ وجود
گاہ بے قیدِ عناصر، گاہ قیدِ لامکاں
پڑھتے ہیں جس پر ملائک اور خالق بھی درود
ایک حقیقت ہے نہیں ہے محض یہ اک فلسفہ
سہل آتا ہے نظر لیکن بہت دشوار ہے
ایک مرسل دے گیا اس کو حدیثِ مَن عَرَف
جز تلاشِ مرشدِ کامل سبھی بیکار ہے
ایک قطبِ دورِ حاضر کا ترانہ رہ گیا
اور جگر میں ہجر کا اک زخمِ پنہاں رہ گیا
وصلِ حق کو موت کا بس اک بہانہ رہ گیا

موت کیا تھی جسمِ فانی سے تھا اخراجِ وجود
زندہ باد و آفریں اے شانِ معراجِ وجود

ہم تو راضی بر رضائے یار ہیں نالاں نہیں | نم رہا کرتی ہیں آنکھیں، دل مگر گریاں نہیں

سالِ تاریخِ وفاتش گفت کاؔمی نالہ زن

واصلِ پروردگار و قطبِ ابرارِ زمن

۱۳۷۸ھ

خطابات - از - فصل الخطاب

از
منشی فاضل محمد ابوبکر صاحب
ملیباری
لطیفی قمری فارغ العلوم
لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

ناظرین!

اس میں شک نہیں کہ اہل زمانہ اپنے آبا و اجداد کے دئے ہوئے علمی ذخائر کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ آج دنیا میں بہت سے ایسے قدیم علمی ذخیرے موجود ہیں، جنہیں کوئی محقق، یا ریسرچ اسکالر صفحہ قرطاس پر لائے تو پھر سے زمانے کی کجروی کو بدلا جا سکتا ہے۔ اس مقصدِ عظیم کو مدنظر رکھتے ہوئے احقر نے تاج المصنفین حامئ دین متین قدوۃ الواصلین حاجی الحرمین، حضرت حافظ مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاباتِ گراں مایہ کے چند اہم گوشوں کو استفادۂ ناظرین کی خاطر بزم اللطیف میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے — قمری

قصرِ اسلام کی بنیاد عقائد پر رکھی گئی ہے۔ عقائد میں ذرا بھی تذبذب اور بگاڑ ہلاکت و تباہی کا سبب ہوتا ہے۔

حضرت قطبِ ویلور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فصل الخطاب بین الخطا والصواب" میں نہایت واضح طریقے سے عقائدِ صحیحہ کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔ زیارتِ قبور پر آپ بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"بدانکہ زیارتِ قبورِ مومنین و دعاء برائے ایشاں مستحب است وفاقاً کذا فی البحر الرائق والعالمگیری، زیراکہ مرگ را یاد می دہاند و از قساوت قلب و رغبتِ دنیا می رہاند و سبب رقتِ قلب و باعثِ عبرت و تذکر آخرت میگردد چنانچہ در حدیث آمدہ کہ زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُکُمُ الْاٰخِرَۃ" یعنی زیارت قبورِ مومنین اور ان کے لئے دعا کرنا مستحب ہے جیسا کہ بحر الرائق اور عالمگیری میں مذکور ہے اس لئے کہ زیارتِ قبر سے انسان موت کو یاد کرتا ہے۔ قساوتِ قلبی اور رغبتِ دنیوی سے رہائی پاتا ہے۔ اس میں رقتِ قلبی پیدا ہوتی ہے اور وہ عبرت کا

باعث بن جاتا ہے اور اُخروی زندگی کی یاد دہانی کرتی ہے۔

چنانچہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم قبروں کی زیارت کرو، بیشک وہ تمہیں اُخروی زندگی کو یاد دلائے گی۔ ۵

بہر زیارت چوں روی پیشِ قبر
قدر بزرگیش تو منظور دار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے اس بات کو ثابت فرمایا کہ زیارتِ قبور مستحب ہے، جو انسان کو آخرت کے دہشت ناک واقعات کو ایک پل میں یاد دلا دیتی ہے۔ اس طرح بہت سی احادیث ہیں جن سے زیارتِ قبور کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز آپ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ بہ بقیع رفتہ وسلام می داد بر اہل آں استغفار می کرد براۓ ایشاں۔ (کذا فی شرح المشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع نامی قبرستان گئے اور اہلِ قبور پر سلام بھیجا۔ اور ان کے لئے دُعائے استغفار فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبرستان جانا اور اہل قبور پر سلام بھیجنا اور ان کے لئے مغفرت کا طلب کرنا اس بات پہ دال ہے کہ زیارتِ قبور مستحب ہے۔

نیز ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو میرے پاس تشریف رکھتے تو آخر رات کو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع کو تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پہ سلامتی ہو اور جس کا تم وعدہ کیے گئے ہو کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی، اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع والوں کے گناہوں کو بخش دے۔ (مُسلم شریف)

ناظرین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک روایت کو زیب قرطاس کر رہا ہوں جو بیہقی شریف سے منقول ہے۔

حضرت ہاشم بن محمدؒ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ میں ایک اہل علم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک شخص برابر اپنے والد کی قبر کی زیارت کو جایا کرتا تھا، ایک عرصہ کے بعد اسے خیال ہوا، کیا مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ پھر اس نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، وہ کہتے ہیں اے میرے بیٹے تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے۔ اس نے کہا کیا مٹی کی زیارت کو آؤں۔ والد نے فرمایا اے بیٹے ایسا نہ کہو، خدا کی قسم جس وقت تم آتے تھے تو تم دکھائی دیتے تھے اور اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آمد کی بشارت مجھکو دیتے تھے۔ اور جب تم واپس ہوتے تھے تو میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے۔

الغرض مذکورۂ بالا دلیلوں سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ زیارتِ قبور سے اُخروی

زندگی کی پرچھائیاں ذہنِ انسانی پہ چھا جاتی ہیں ، اور وہ گناہ صغیرہ کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے، مجبور و بیکس انسان جب قبر کے ان تاریک گوشوں کو دیکھتا ہے تو خود بخود اپنے اندر ایک خوف و ہراس محسوس کرتا ہے۔ دنیا کی زندگی بے لذت ہو جاتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیوں نہ ہم اخروی زندگی کے لئے زادِ راہ تیار کریں۔

ایک ہی مضمون پہ فصل الخطاب کے ہر پہلو پہ روشنی ڈالنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اس کے ایک زرین گوشے کو بے نقاب کئے دیتا ہوں۔

زیارتِ موی شریف سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعلیٰحضرت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"بدانکہ زیارتِ موی شریف سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و زیارت مساجد و آبار و آثار مستحب است۔"

موئے شریف کا زیارت کرنا اور آپکی تعمیر کردہ مساجد اور کنویں اور آثار کا زیارت کرنا مستحب ہے۔ شیخ الہند در شرح سفر السعادۃ نقل می نمایند کہ قسمت موی ہائے مبارک در اصحاب بجہت آں بود کہ تا ایں برکت درمیان ایشاں باقی ماند و باعث تذکرہ و یادداشتی بود، ایشاں را از وجود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و گویا اشارتے کرد باقتراب اجل و انقضا زمان صحبت شیخ الہند شرح سفر السعادۃ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موئے مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا تھا۔

تاکہ اسکی برکت ان لوگوں کے درمیان باقی رہے اور حضورؐ کی یاد بھی ہمیشہ باقی رہے۔ گو آپ نے یوں اشارہ فرمایا، کہ عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور زمانِ صحبت ختم ہونے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے درمیان خود اپنے موئے مبارک کا تقسیم کرنا اور اصحاب اُسے ایک بابرکت شئے سمجھ کر اپنے پاس تمام تر احترام سے حفاظت کرنا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ جزو احمدی سے وجودِ احمدی باعث یاد ہو۔ اس موئے مبارک سے ایک اور عظیم نکتہ وابستہ ہے کسی ایک مذہب کا پیرو جب اپنے مذہب کے بانی کے متعلق کچھ سوچتا ہے یا سنتا ہے، یا دیکھتا ہے تو وہ اپنے پیشوا کی زندگی کے ہر گوشے کو چھان بین کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں ایک ولولہ پاتا ہے اور اپنے مذہب کی پیروی میں گامزن ہو جاتا ہے۔

و در اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ در بیان تقسیم اشعار و اظفار کہ سرور انام علیہ الصلوٰۃ والسلام در حجۃ الوداع فرمودہ است می نگارند کہ بہر یک یکتارہ موی و دو تارہ موی نصیب رسیدہ گویا شاعر ایں قصہ اشارت کردہ است ؎

مرا از زلف تو موی بسند است
فضولی می کنم بوی بسند است

و ہمچناں ناخناں نیز تقسیم کردہ و بر حاضراں قسمت فرمودہ و ایں برکات درمیان امت الی یومنا ھذا باقی ہند

اشعۃ اللمعات جو ترجمہ مشکوٰۃ شریف ہے اس میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر موئے مبارک اور ناخنوں کو تقسیم فرمایا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ہر ایک کو ایک تار یا دو تار موئے شریف کے ملے، گویا شاعر اس قصہ کی جانب اشارہ کیا ہے یعنی مجھ کو آپ کے زلفِ مبارک سے اگر ایک موئے شریف بھی حاصل ہو تو مجھے پسند ہے زیادتی کرتا ہوں اگر ذرہ سی بوئے جسد اطہر ہی حاصل ہو جائے وہی میرے لئے پسند ہے۔

نیز اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناخن شریف کو بھی اصحاب میں تقسیم فرمایا اور اسکی برکت امت کے درمیان قیامت تک باقی ہے۔

جزو محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حد تک انسانی زندگی میں ایمان کی تر و تازگی باقی رہتی ہے۔ اب یہی تعظیم کی بات، جس طریقے سے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم آپ کی زندگی میں کیجاتی تھی اس طرح اب آپ کے موئے مبارک کی تعظیم و توقیر کرنا ضروری ہے۔

اسی نکتہ کو اعلیحضرت قدس سرہٗ سفینۃ النجات کے حوالے سے وضاحۃً تحریر فرمایا ہے۔

"محصل کلام صاحب سفینۃ النجات کہ در صفحۂ چہل و دو، ہم بقلم آوردہ آنکہ موی شریف سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم واجب التعظیم است اگرچہ ثبوت آں متیقن نبود، زیرا کہ تعظیم کُل چوں واجب است اجزاءِ آں در تعظیم و تکریم مثل اوست"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صاحب سفینۃ النجات بیالیسویں صفحہ پر رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک واجب التعظیم ہیں اگرچہ اس کا ثبوت متعین نہیں ہے کیونکہ کُل کی تعظیم واجب ہے تو ان کے اجزاء کی بھی تعظیم و تکریم کرنا اس کل کے مثل ہے۔ اجزاء کا ایک جگہ جمع ہونے کا نام کُل ہے تو ان اجزاء کی بھی وہی تعظیم ہونی چاہیئے جس حیثیت سے کُل کی ہوتی رہی ہے۔

بعض کج فہم لوگوں نے زیارت موئے شریف کو عبادات اور مُو پرستی سے تعبیر کیا ہے۔

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ لکھتے ہیں:۔

"گاہے تعظیم موئے شریف را عبادت و مُو پرستی گویند حالانکہ تعظیم دیگر است و عبادت دیگر ست۔ (کذا فی التفسیر) اگر چنیں بودے حق تعالیٰ وتقدس وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ نفرمودے۔

یعنی تعظیم اور عبادت میں بہت فرق ہے تعظیم الگ چیز ہے اور عبادت الگ چیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ یوں نہ فرماتا کہ "جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے بیشک وہ تعظیم کرنا دلوں کی پرہیز گاری سے ہے"۔

اللھم اھدنا بالحق والصواب

قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب ہے

اردو کے پہلے نثر نگار

از حافظ سید محمد اللہ بختیاری
ضیا لطیفی اردو عالم حیدرآباد
ادیب کامل علیگڈھ فاضل دینیات دیوبند

گلبرگہ کو تنہا یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ ایک قدیم تاریخی مقام ہے۔ دکن کی پہلی اسلامی ریاست کا صدر مقام رہا ہے۔ اس کی خاک میں مختلف مذہبوں کے بڑے بڑے اہل کمال حضرات آرام فرما رہے ہیں۔ بلکہ اس سرزمین کو یہ بھی افتخار حاصل ہے کہ اسی سرزمین پر اُردو زبان نے پہلی بار عام بول چال کی زبان سے آگے بڑھ کر ادبی رُوپ اختیار کیا اور اسی جگہ زبان اردو کا اولین نثر نگار حضرت مخدوم ابوالفتح سید شاہ محمد حسینی خواجہ گیسو دراز آرام فرما ہے۔

حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کو ہم سب ایک ولی کامل اور ایک بلند بزرگ کی حیثیت سے جانتے اور مانتے ہیں۔ اکثر کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپؒ بہت بڑے عالم اور عربی و فارسی میں کئی بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ لیکن کم ہی لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ آپؒ نے اُردو میں بھی کئی رسالے تصنیف فرمائے ہیں اور آپ کے لکھے ہوئے یہی رسالے اُردو نثر کے اوّلین نمونے سمجھے جاتے ہیں۔

مندرجۂ بالا ہم نے لکھا ہے کہ شہر گلبرگہ میں پہلی بار اردو زبان بول چال کی زبان کی منزل سے گذر کر ادبی رتبے پر پہنچی اور یہیں پہلی بار اس کے علمی نثر کا اولین نمونہ عالم وجود میں آیا۔ جن حالات میں یہاں یہ علمی تحقیق ممکن ہوسکی ان کے سمجھنے کے لئے اُردو زبان کی ابتداء اور اس کی نشو و نما کی تاریخ کے ایک سرسری جائزہ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

گیارھویں صدی عیسوی سے عربی، فارسی اور ترکی بولنے والی مسلمان قومیں ہندوستان کے شمالی علاقے میں آباد ہونے لگیں۔ ان لوگوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی طرح اپنے آپ کو الگ تھلگ اور پردیسی نہیں رکھا، بلکہ اس ملک کے باشندوں سے اپنے تعلقات استوار کئے، اپنے وطنوں کو بھلا کر اسی ملک کو اپنا وطن بنا لیا اور یہیں شادی بیاہ بھی کر کے مقیم ہو گئے۔

یہ آمیزش اور یہ سماجی ربط ضبط اس کی نئی نسل کی شکل و صورت، تراش و خراش، وضع قطع، چال ڈھال غرض زندگی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہوا۔ لیکن اس تمدنی ربط ضبط،

اور آپس کے میل جول کی سب سے مبارک یادگار وہ زبان ہے جو سندھ، پنجاب، دہلی گنگ وجمن کے علاقوں میں بولی جانے والی زبان عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ کے میل جول سے عالم وجود میں آئی۔ پہلے پہل اس زبان کو ہندی کہا گیا، چونکہ اس میں سنسکرت کی بھی آمیزش تھی۔ جب یہ دکن پہنچی تو دکھنی کہلائی گئی۔ پھر ریختہ کے نام سے یاد کی گئی اور آخر میں دہلی پہنچکر اُردوئے معلیٰ کے لقب سے سرفراز ہوئی۔

تیرھویں صدی کی ابتدا میں دکن فتح ہوا اور جو اسلامی لشکر دکن آیا، وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تمدنی اشتراک کی یہی یادگار زبان بولتا تھا۔ بہمنی سلطنت کے عہد میں اس زبان کو اور بھی فروغ حاصل ہوا۔ بہمنی بادشاہوں نے کاروبار سلطنت کے لئے اسی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تھا۔ عوام کی اس زبان پر سرکار کی سرپرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہمنی سلطنت کے قیام کے ستر سال کے اندر اندر یہ زبان عام بول چال کی زبان کے درجے سے آگے بڑھ کر علمی اور ادبی درجہ تک پہنچ گئی۔

اُردو زبان کے لئے یہ بڑی فال نیک ہی کہ آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے اسکی ادبی نثر کی ابتداء، خواجہ دکن جیسی مقدس ہستیوں کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ یہ آپ ہی جیسے ولی کامل کی بدولت یہ زبان آگے خوب پھلی پھولی اور ہندوستان کی زبانوں میں اسے ایک اونچا مقام حاصل ہوا۔

خواجۂ دکن حضرت مخدوم خواجہ گیسو دراز سنہ ۱۳۲۱ھ میں بمقام دہلی تولد ہوئے۔ پیر نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ جیسے بلند مرتبت ولی سے آپ کو خلافت ملی اور ان کے وصال کے بعد آپ ہی ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ تیمور کے حملے دہلی سے کچھ پہلے آپ نے دہلی کی رہائش ترک فرما کر گجرات سے ہوتے ہوئے دکن کا رُخ کیا۔ سنہ ۸۰۱ھ کے لگ بھگ آپ گلبرگہ پہنچنے کے بعد آپ نے اپنی زندگی کے ۲۴ سال یہیں بسر فرمائے اور دکن کے سیاسی، سماجی اور دینی حالات پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوئے۔ ۱۰۱ سال کی طویل عمر پاکر آپ نے سنہ ۸۲۵ھ میں انتقال کیا۔

شہر گلبرگہ تشریف لانے سے پہلے حضرت مخدومؒ اس وقت کی مسلمہ علمی زبان فارسی میں تصوف اور عرفان کے موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف فرما چکے تھے لیکن دکن تشریف لانے کے بعد آپ نے دیکھا کہ اس علاقہ میں اردو زبان نہ صرف عام لوگوں کی مشترک زبان ہے بلکہ علمی، اور ادبی حیثیت سے بھی وہ اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ اس میں تصنیف و تالیف بھی کی جاسکتی ہے۔ خلق خدا کی ہدایت اور اسکی اصلاح یہی آپ کا حقیقی مشن تھا۔

آپ کی دُور بین نظر نے دیکھ لیا کہ خدا کے اس پیغام کو اس خطہ میں عوام تک پہنچانے کا سب سے آسان ذریعہ عوام کی یہی زبان ہو سکتی ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں اور عام طالب علموں کو نہ صرف اُردو میں درس دینا شروع کیا۔ بلکہ ان کے فائدے کے لئے اُردو نظم ونثر میں کئی رسالے بھی لکھے۔ اُردو نثر میں آپ کے لکھے ہوئے حسب ذیل رسالوں کا اب تک پتہ چلا ہے:۔

معراج العاشقین۔ شکار نامہ۔ رسالہ سہ بارہ۔ ہدایت نامہ

ہشت مسائل اور تمثیل نامہ ان رسالوں میں فقط معراج العاشقین ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور دوسرے رسالے ہنوز قلمی شکل میں پڑے ہوئے ہیں۔ خدا وہ دن جلد لائے کہ یہ رسالے بھی طباعت اور اشاعت کے زیور سے آراستہ ہو جائیں۔

معراج العاشقین کو آج سے تقریباً چالیس سال پہلے بابائے اردو مولانا عبدالحق نے مرتب کرکے شائع کیا تھا۔ اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ ابھی چند سال قبل پروفیسر خلیق انجم صاحب نے مرتب کرکے دوالگ الگ اداروں سے شائع کیا ہے۔ اور دوسرے رسالوں کے متعلق بھی کوشش کی جا رہی ہے کہ شائع کیا جائے۔ جن لوگوں نے اردو ادب اور اردو زبان کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مخدومؒ کے ان رسالوں سے پہلے اُردو نثر کا کوئی نمونہ اب تک دریافت نہیں ہوا ہے۔ اس لئے اُردو کے اولین نثر نگار ہونے کی فضیلت اور بہت سی فضیلتوں کے ساتھ حضرت مخدومؒ ہی کے حصہ میں آتی ہے۔

حضرت مخدومؒ نے اردو میں خود رسالے تصنیف فرما کر اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک نہایت شاندار اور قابلِ تقلید روایت قائم کر دی۔ اس روایت کے اثرات بہت اچھے مرتب ہوئے۔ اردو کی ترقی میں اس روایت نے چار چاند لگا دیے اور اس کی رفتار کو بہت تیز کر دیا۔ حضرت مخدوم نے تصوف و عرفان کے بلند نکات و جواہر سے اس زبان کو مالا مال کیا۔ اس خصوص میں آپ کے پوتے حضرت سید عبداللہ حسینیؒ کا نام مبارک سرِفہرست ہے۔ آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نشاط العشق کا اُردو میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح لکھی جو اب ناپید ہے۔ پھر اس سلسلہ میں آپ کے خلفاء اور مریدوں میں بیجاپور کے مشہور بزرگ حضرت شمس العشاق شاہ میراں جیؒ کا اسمِ مبارک آتا ہے۔ آپ نے اُردو نظم میں ایک کتاب شہادت الحقیقت اور نثر میں کچھ رسالے تصوف کے موضوع پر تالیف فرمائے ہیں۔ آپ کے فرزند شاہ برہان الدین نے بھی اُردو میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ آپ کے پوتے حضرت امین الدین بھی اپنے والدِ ماجد اور جدِ امجد کے نقش قدم پر چلے۔ محبت نامہ اور نثر میں چند رسالے آپ کی یادگار ہیں۔ اسی طرح اس خاندان کے مریدوں نے بھی تصنیف و تالیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔

ابتدائی دَور میں اردو نثر کی بہت سی کتابیں اسی سلسلہ کے بزرگوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں لیکن اس کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہوگی۔ اس بارے میں اتنا کچھ مواد موجود ہے کہ اگر کوئی شخص ہمت کرے تو وہ حضرت مخدومؒ کے اسی ایک فیض جاریہ کے موضوع پر ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا تحقیقی مقالہ پیش کر سکتا ہے۔

حضرت مخدوم کے ان رسالوں کی زبان آج کی اردو سے مختلف اور بہت مختلف ہے۔ ان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چودھویں صدی کے آخر تک اردو زبان نے کتنی ترقی کی۔

لسانی تحقیق کے لحاظ سے ان رسالوں کو بڑی اہمیت و عظمت حاصل ہے۔ ان کی زبان دکھنی سے کچھ مختلف

ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶

ایک اہم فتوٰی

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بزرگ یا عالمِ دین اور بادشاہِ اسلام کو اعلیٰحضرت کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے۔

۲) زید یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تو صرف حضرت ہی کہا جائے، اور غیر رسول کو اعلیٰحضرت کہا جائے۔ اعلیٰحضرت صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ غیر رسول کو اعلیٰ حضرت کہنا جائز نہیں کیا یہ رسول سے بڑھ گئے ؟ زید کے اس قول کا کیا جواب ہے بینوا وتوجروا۔

(السائل: محمد عمران قادری

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا درصورت مسئولہ قاعدہ اور اصول کی بات یہ ہے کہ جو کسی بزرگ یا عالمِ دین اور بادشاہ اسلام کے لئے لفظ اعلیٰ حضرت کا اطلاق واستعمال ناجائز کہے، وہ عدم جواز پر دلیل پیش کرے اور جب عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن وحدیث سے مخالفت نہ اجماعِ امت وقیاس سے مخالفت تو بقاعدۂ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ لیعنی تمام چیزوں میں اصل وضابطہ یہ ہے کہ وہ حلال وجائز ہے۔ البتہ اگر شریعت منع کردے تب حرمت یا عدم جواز ثابت ہوگا۔ بلکہ کراہت کے ثبوت کے لئے بھی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ بغیر دلیل شرعی کراہت کا ثبوت نہیں ہوسکتا جیسا کہ شامی جلد اول بیان المستحب والسنۃ والمندوب میں ہے لان الکراھۃ حکم شرعی فلابد لہ من دلیل خاص توجب کراہت کا ثبوت بھی بلا دلیل نہیں ہوسکتا تو عدم جواز یا حرمت کا ثبوت بلا دلیل کیسے ہوسکتا ہے۔

البتہ کسی شئی کے جواز کے لئے اتنا ہی کافی ہے، کہ شرع سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے جیسا کہ شامی بحث تعریف سنت میں ہے المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیہ والشافعیۃ۔

۲۔ زید کا یہ خیال کہ اعلیٰحضرت کا لفظ صرف رسول کے لئے استعمال کیا جائے، غیر رسول کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں اسکی کوئی سند قرآن، حدیث یا دیگر ادلہ سے نہیں ملتی۔ ادلۂ اربعہ میں کہیں صراحۃً یا کنایۃً یہ نہیں ہے کہ

یہ لفظ رسول کے لئے خاص ہے۔ اگر کہیں ہو تو پیش کیجئے۔ بلکہ زید کے مفروضہ کی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ جس طرح غیر رسول کے لئے لفظ اعلیٰحضرت کا اطلاق ناجائز ہے اسی طرح رسول کے لئے اعلیٰحضرت کا اطلاق ناجائز ہو۔ کیونکہ سب سے اعلیٰ وارفع ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کیا رسول کی ذات خدا سے بڑھ کر ہے کہ جو آپ کو اعلیٰحضرت کہا جائے۔ تو جب خدا اور رسول میں بے شمار فرق مراتب کے باوجود' زید کے نزدیک اعلیٰحضرت کا اطلاق رسول کے لئے جس دلیل سے جائز ہے اسی دلیل سے ہم رسول اور امت میں بے شمار فرق مراتب کے باوجود غیر رسول کے لئے اعلیٰحضرت کا اطلاق جائز کہینگے ——— پھر زید سے یہ کس نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف حضرت ہی کہا جائے جس طرح آپ چاہیں اونچے سے اونچے بڑے سے بڑے القاب وآداب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد کیجئے، صرف خدا یا خدا کا بیٹا نہ سمجھئے۔ صاحب قصیدۂ بردہ شریف نے فرمایا۔

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم
واحکم بما شئت من شرف ومن عظم

فان فضل رسول اللہ لیس لہ
حد فیعرب عنہ ناطق بفم

اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی عظمت ورفعت کا اندازہ انسان کی طاقت سے باہر ہے جس طرح چاہو عظمت وفضیلت کے اعلیٰ سے اعلیٰ الفاظ آپ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں' کمتری اور برتری کا سوال اس وقت ہوگا کہ جب کوئی رسول کو صرف حضرت سمجھے اور رسول کے مقابلہ میں غیر رسول کو اعلیٰحضرت یا اللہ تعالیٰ کو صرف حضرت سمجھے اور اللہ کے مقابلے میں رسول کو اعلیٰحضرت کہے تب بیشک تنقیص وترجیح کا سوال پیدا ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کسی عاصی سے عاصی اور جاہل سے جاہل شخص کا بھی یہ عقیدہ یا تصور نہیں ہوتا کہ جب وہ اعلیٰحضرت کا استعمال رسول کیلئے کرتا ہے تو وہ رسول کو خدا سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہے اسی طرح جب وہ غیر رسول کے لئے اعلیٰحضرت کا لفظ کہتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کے تمام رسولوں' نبیوں' صحابہ' تابعین' ائمہ کرام واولیائے عظام سے بڑھ کر ہے۔ یہ عقیدہ تو بالکل ضلالت وگمراہی ہے مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفاتِ کمالیہ کا اثبات علے الاطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ وہ سب کا مالک ورخالق ہے' وہ سب سے بالا وبرتر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کلمات فضیلت ورفعت کا جب اطلاق کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کے بعد تمام کائنات ومخلوق میں آپ ہی کا درجہ ہے۔ آپ ان اوصاف وکمالات میں تمام دیگر مخلوقات سے افضل وبرتر ہیں اور جب غیر رسول کے لئے کلمۂ فضیلت استعمال کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اسکو اپنے زمانہ میں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے' خواہ اپنے زمانے کے تمام افراد پر اسے فضیلت حاصل ہو' جیسے

حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کہ ان میں ہر ایک اپنے زمانہ میں تمام دوسروں سے افضل تھا یا اسے جزوی فضیلت حاصل ہو جیسے خلفاء راشدین کے بعد سے اب تک اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے لوگوں کی فضیلت رہی ہے۔

گلستان اور اخلاقِ محسنی میں بھی بادشاہوں کے لئے حضرت اعلیٰ اور آنحضرت وغیرہ کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، اور یہ کتابیں سینکڑوں سال سے عربی مدارس میں داخل درس ہیں تو کیا یہ سب لوگ غلطی پر ہیں۔ صرف زید ہی صحیح کہتا ہے۔

کتبہٗ

سید حمید اشرف غفرلہٗ

مدرس دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

(بہ سلسلۂ صفحہ ۵۳) ہے۔ اور کھڑی بولی اور ہریانی سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت مخدومؒ نے تقریباً ساٹھ برس دہلی میں بسر فرمائے۔ اس لئے لازمی طور پر آپ کی زبان ان بولیوں سے زیادہ متاثر ہے، جو دہلی اور دہلی کے اطراف بولی جاتی تھیں۔

حضرت مخدوم کے ان رسالوں کا موضوع تصوف اور عرفان ہے۔ تصوف کے بعض نہایت پیچیدہ مسائل ان میں بیان ہوئے ہیں۔ اسلامی تصوف کے گہرے مطالعے اور خاص کر صوفیا کی اصطلاحات سے واقفیت کے بغیر ان رسالوں کے مطالب کی تہ تک پہنچنا اور ان کو پوری طرح سمجھنا قریب قریب ناممکن ہے۔ ان میں بہت ایسے رموز و اشارے بھی استعمال کئے گئے ہیں، جب تک کوئی صاحب دل اور فیض یافتہ ان کی تشریح نہ کرے اس وقت تک ان سے شرح صدر ممکن نہیں۔ یہ ایک مخصوص فن پر لکھے ہوئے رسالے ہیں، جس طرح سائنس یا طب یا کسی اور فنی موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں سے اس فن کی مخصوص اصطلاحوں سے اور ضابطوں سے اگر واقفیت نہ ہو تو ان سے استفادہ ممکن نہیں۔

حضرت مخدومؒ نے اردو میں شاعری بھی فرمائی ہے۔ اردو میں آپ نے کبھی شہباز کبھی بندہ اور کبھی محمد تخلص اختیار فرمایا ہے۔ شاعری میں بھی آپ نے تصوف کے مسائل و رموز ہی بیان فرمائے ہیں۔

لیکن شاعری میں ولیت کا شرف آپکو حاصل نہیں ہے۔ یہ فضیلت آپ سے پہلے کے کچھ اور شعراء کو حاصل ہے۔ تاہم اردو شاعری کے ایک قدیم نمونے کی حیثیت سے آپ کے کلام کی مقبولیت و اہمیت کچھ کم نہیں۔

حضرت مخدوم خواجہ گیسو دراز چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ حضرت مخدومؒ اردو کے اولین نثر نگار ہیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے اس عام بول چال کی زبان کو اونچی قدر حاصل ہوی۔ آپ زبانِ اردو کے پہلے نثر نگار ہی نہیں بلکہ پہلے عوامی مصنف بھی ہیں۔

اولیائے بیجاپور

از

سید محبوب باشاہ عدروس شکیب منگولی
زمرۂ سابعہ ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی
متعلّم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

دار الظفر بیجاپور، آثارِ قدیمہ کی ایک جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر ہے، اور یہ شہر ۱۰۹۷ھ تک عادل شاہی حکومت کا دار السلطنت رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہر طرف عادل شاہی دور کی سنگ تراشی و فن کاری کے سچے نمونے یہاں کی رُوح پرور مساجد اور دلفریب گنبدوں کی شکل میں نظر آتے ہیں جو مسلم طرزِ تعمیر کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں کی فلک بوس عمارتیں اپنے دامن میں ماضی کی عظیم الشان نوادرات سمیٹے ہوئے ہیں۔ جن کے ہر جھروکے سے بیجاپور کی ناقابلِ فراموش تاریخ دکھائی دے رہی ہے۔ یہاں بعض بوسیدہ او خستہ عمارتیں بھی دکھائی دیتی ہیں جو اپنے شاندار ماضی پر آنسو بہا رہی ہیں، یہ تاریخی شہر کئی بار اُجڑا اور آباد ہوا۔ جہاں خزاں کی گرم اور جھلسا دینے والی ہواؤں نے اس کے حُسن کو پامال کرنے کی کوشش کی۔ بہار نے ہمیشہ اپنے پُرکیف و خوشگوار لہروں سے اس کے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کیا۔ آج اس کے دامن میں کم و بیش ایک لاکھ نفوس رہتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا انتہائی خوشگوار ہے۔ اس کے حُسن نکھار پیدا کرنے والی چیز یہاں کے دلکش و دیدہ زیب مقبرے ہیں۔ اس شہر دار الظفر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر گوشے میں مقدس و برگزیدہ بندے آرام فرما ہیں۔ چنانچہ آج تک کسی کو یہ علم نہ ہو سکا کہ سرزمین بیجاپور میں کتنے اولیاء کرام نے قدم رنجہ فرمایا ہے، اس کی ہر گلی اور کوچہ میں ایک نہ ایک مردِ باصفا کی آرام گاہ دکھائی دیتی ہے۔ ان ہی نفوسِ قدسیہ کا صدقہ ہے کہ جن کے فیوضات و برکات سے آج بھی بیجاپور بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ آئیے ان اولیائے عظام پر ایک سرسری نظر ڈالیں تاکہ ان بزرگوں کی یاد سے ہمارے قلوب کو سکون و آرام مل سکے۔

حضرت رومی قدس سرہٗ آپ اس شہر کے قدیم ترین بزرگ شمار کیے جاتے ہیں، جس وقت آپ یہاں تشریف لائے شہر کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ہر طرف وحشت و بربریت چھائی ہوئی تھی۔ بے دینی و گمراہی عام تھی ظلم و جہالت کی گھنگور گھٹائیں سارے علاقہ پر چھائی ہوئی تھی۔ بالفاظ دیگر سارا شہر کفرستان بنا ہوا تھا۔ اس پُرتاریک دور میں حضرت رومی قدس سرّہ العزیز نے اپنے مُریدین کی ایک جماعت لیکر شہر میں داخل ہوئے۔ اہل شہر

نے آپ کو اور آپ کے مصاحبوں کو شہر میں ٹھہرنے سے منع
کر دیا تو آپ اپنی جماعت کے ہمراہ شہر پناہ کے سایہ میں
رہنے لگے۔ کفار کو یہ گوارہ تھا کہ مسلمان ان کی بستی میں
مقیم رہیں۔ لہٰذا انہوں نے آپ اور آپ کی جماعت پر ظلم و
ستم ڈھانا شروع کیا اور مسلمانوں سے ہر قسم کی خرید فروخت
کو ممنوع قرار دے دیا حتیٰ کہ ان بزرگوں کو کھانے پینے
کی کوئی چیز بھی نہیں مل سکتی تھی، یہ اللہ والے ان مصیبتوں
کو سہتے رہے۔ اسی عالم پریشانی میں تین دن گذر رہے لیکن
چوتھے روز مریدین قوتِ ضبط سے باہر ہو گئے اور آپ
کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرنے لگے کہ اب ہم سے
بھوک سہی نہیں جا سکتی۔

ادھر مریدین حضرت رومیؒ سے گفتگو میں مشغول
تھے کہ دفعتاً ایک نہایت موٹی تازی گائے دکھائی دی۔
آپ نے گائے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جاؤ اس
گائے کو ذبح کر کے اپنے لئے کھانا بنا لو، ہاں مگر یہ یاد
رہے کہ اس کا چمڑا اور سر پیر محفوظ رکھے جائیں۔ آپ
کے ارشاد کے مطابق ان لوگوں نے گائے سے اپنی غذا
بنائی۔ جب شام ہوئی تو راجہ اپنے معمول مطابق استھان
(پوجا گھر) آیا تاکہ گائے کی پوجا کرے مگر گائے کو
غائب دیکھا تو سخت برافروختہ ہوا اور اپنی محبوب گائے
کی تلاش میں کئی آدمیوں کو اطراف و اکناف دوڑایا۔
ان متلاشیوں نے تلاش و تتبع میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا
بالآخر مجبور ہو کر ناکام لوٹے تو راجہ اور بھی برہم ہوا۔
اسی اثنا میں اس کے مصاحبوں میں سے چند کا خیال
مسلمانوں کی طرف گیا اور وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے
لگے کہ ہو نہ ہو گائے کو مسلمان کھا گئے ہیں۔

اسی خیال کے تحت مسلمانوں کے پاس آئے اور استفسار
کیا، مسلمانوں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ تمام مل کر حضرت رومیؒ
قدس سرہٗ کے دربار میں تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ نے ان
لوگوں کو حکم دیا کہ تم اپنے راجہ کے ہمراہ آؤ۔ حسب الحکم جب
راجہ اور عوام آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ
ہاں یہ سچ ہے کہ ہم لوگوں نے آپ کی گائے کھائی ہے لیکن
ایک شرط پر ابھی تمہیں واپس کی جا سکتی ہے، وہ یہ کہ
تم آئندہ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ دیں اور نہ کسی مسلمان سے
خرید و فروخت بند رکھیں۔

راجہ کی یہ محبوب گائے تھی جس کی وجہ سے مجبور ہو کر آپ
کی پیش کردہ شرائط منظور کر لیا۔ اس کے بعد آپؒ نے اپنے
مریدین کو حکم دیا کہ گائے کا سر اور چمڑا پیر لے آؤ۔ جب ان اجزائ
کو ترتیب دیا گیا تو آپ نے عصائے مبارک سے مردہ گائے
کے سر پہ ایک ضرب لگائی جس کی وجہ سے گائے آوازیں
بھرتی ہوئی وہاں سے اٹھ بھاگی اور شہر کی راہ لی۔ اس
واقعہ کے بعد مسلمانوں کی عظمت و شوکت ان کے دلوں میں
جاگزیں ہو گئی، پھر مسلمانوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا اور
وہ شہر میں آ کر اپنی ضرورتوں کو پوری کرنے لگے۔

حضرت رومی قدس سرہ العزیز ہی وہ پہلے بزرگ
تھے جنہوں نے اپنی آمد سے اس شہر کو زینت بخشی اور کفر و
الحاد کا قلع قمع کیا۔ آپ کے بعد اس شہر میں اولیائے کرام
و سادات عظام کی آمد کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکی

تفصیل آج تک کسی نے نہیں بتائی۔

آپ کا پورا نام پردۂ خفا میں ہے۔ آپ سے متعلق مَروی ہے کہ آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت ہیں) کے مرید ہیں۔ آپ کا انتقال ۲۲ ذی الحجہ ۵۵۵ھ میں ہوا۔ مزارِ مبارک آپؒ کا بمقام شاہ پیٹ قلعہ ارک کی جنوبی خندق کے قریب چبوترے پر واقع ہے جو آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ حمید قادری قدس سرہ العزیز

آپ سندھ کے باشندے ہیں۔ آپ ابراہیم عادل شاہ ثانی عرف جگت گرو کے ابتدائی دور میں شہر بیجاپور تشریف لائے آپ کے فضائل بادشاہ پر پہلے ہی منکشف ہو چکے تھے جسکی وجہ سے آپ بیجاپور تشریف لائے تو شاندار استقبال کیا اور قدم بوس ہو کر آپ کو شہر میں لے آیا اور آپ کی رہائش گاہ کے لئے ایک شاہی باغ (جو آج بھی نو باغ کے نام سے موجود ہے) عطا کیا اور ساتھ انعام کا پروانہ بھی روانہ کیا حضرت چلہ کش اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ بادشاہ کی ان دونوں پیش کشوں کو واپس کر دیا۔

علی عادل شاہ کلاں کی بیگم فاطمہ سلطانہ ایک خوبصورت مسجد اور اس کے قرب میں ایک حسین گنبد تعمیر کرائی تھی، وہ آپ کو پسند آئی۔ آپ اسی مسجد میں رہنے لگے، اور فرمایا کہ یہی وقف کی ہوئی زمین اور مسجد و گنبد فقیروں اور گوشہ نشینوں کے قیام کے لئے کافی ہے۔

(واقعات مملکت بیجاپور) میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں مرقوم ہے۔ "حضرت شیخ حمید قادریؒ، آپ شہر بیجاپور کے مشہور اولیا میں سے ہیں۔ آپ حافظ قرآن خوش لہجہ و خوش الحان تھے اور اپنے وقت میں اہل باطن اور اہل فقر کے شب چراغ تھے۔ وحید زماں و فرید عصر تھے سنت نبویؐ کی پیروی اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی تھی۔

شرط اول در طریق معرفت دانی کہ چیست

ترک کردن ہر دو عالم را بہ پشت پا زدن

آپ چلہ کش و گوشہ نشیں ہونے کے باوجود تعلیم و تدریس کی اہم خدمت بھی انجام دیتے رہے چنانچہ بے شمار افراد نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور اپنے دامن کو بیش بہا موتیوں سے مرصع کیا۔ آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک یہیں مقیم رہے حتیٰ کہ آپ کی آخری قیام گاہ بھی یہیں عمل میں آئی۔

ترا از کنگرۂ عرش می زنند صفیر

ندانمت کہ بدیں دامگاہ چہ افتادست

آپ ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۱۱ھ میں وفات پائے "شفیع امتؐ" آپ کی تاریخ وفات مشہور ہے۔

بندے کو کئی مرتبہ ولی مذکور کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ واقعی درگاہ اور وہاں کا پُرکیف منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر قوم و ملت کے افراد بلا کسی فرق و امتیاز آپ کی درگاہ میں سر نیاز خم کرتے ہیں۔ درگاہ کی گنبد اور وہ گنبد جسکو بیگم عادل شاہ کلاں نے بنوایا تھا آج بھی اپنی خوبصورتی میں یکتا ہے۔ اس درگاہ کے پہلو میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس کے چند

قدم دُور ایک باؤلی ہے جس کو آج مکٹ باؤلی سے یاد کیا جاتا ہے، باؤلی کا پانی نہایت شیریں و صحت بخش ہے اور آج بھی اہل عقیدت اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس پانی میں ایسی برکت ودیعت فرمائی ہے کہ اگر کوئی سچی عقیدت سے تین جمعرات اس کے پانی سے غسل کرلے تو اس کی ساری بیماری دُور ہو جاتی ہے۔

واقعاتِ مملکت بیجاپور میں درگاہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے، کہ یہ درگاہ مبارک علی عادل شاہ کے روضے سے قریب چار سو قدم کے فاصلہ پر ہے جو سامنے ہی دکھائی دیتی ہے اور شہر کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہاں دونو بھائی سید حمید قادری اور شیخ لطیف اللہ قادری آسودہ ہیں۔

حضرت سید محمد تعظیم ترک قدس سرہ العزیز

آپ کا شمار شہر بیجاپور کے اکابر سادات و نامور مشائخ کرام میں ہوتا ہے۔ آپ بھی ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کے زمانے میں اپنے آباؤ اجداد کا وطن اسنر آباد چھوڑ کر اس شہر میں تشریف لائے۔ آپ احکام شرعی اور سنتِ نبویؐ پر نہایت سختی سے کاربند تھے۔ آپ سے متعلق مشہور ہے، کہ آپ زندوں کی تعظیم نہیں کیا کرتے تھے مگر جب کوئی جنازہ آپ کے نزدیک سے گذرتا تو آپ فوراً تعظیم کے لئے اُٹھ جاتے اور اس کے ہمراہ ہو لیتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نمازِ جنازہ بھی خود پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کا یہ طریقہ کار چند شر پسند لوگوں کو ناپسند تھا۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت کا امتحان لیا جائے۔ اگر وہ ہمارے امتحان میں ناکام رہے تو آپ کا ٹھٹا مذاق اڑائیں گے، یہ کہہ کر انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو ازراہِ تمسخر مُردہ بنایا اور اُسے یہ نصیحت کی کہ جب حضرت نمازِ جنازہ کے لئے اللہ اکبر کہیں تو تم اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ اس سکیم کے تحت زندے کو کفن پہنا کر اس کا جنازہ روتے دھوتے لے چلے، اور یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت حسبِ عادت اس جنازے کی تعظیم کے لئے اُٹھ جائیں گے مگر ان کا یہ خیال خیالِ خام ثابت ہوا۔ اس لئے کہ آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس جنازے کی تعظیم و تکریم نہیں کی۔ دو تین آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، حضرت! یہ ہمارا اچھا پڑوسی ہے، اگر آپ اس جنازے کی نماز پڑھا دیں تو ممکن ہے مغفرت ہو جائے۔ اتنا سننا تھا کہ آپؒ نے فرمایا جاؤ مجھے اور تنگ نہ کرو کسی اور کے پاس لے جاؤ اور نمازِ جنازہ اسی سے پڑھوالینا۔ آپ کے انکار کے باوجود انہوں نے بہت اصرار کیا۔ جس کی وجہ سے آپ مجبور ہو کر ساتھ چلنے لگے۔ جب جنازہ رکھا گیا اس وقت بھی آپ نے نماز پڑھانے سے انکار کر دیا اور پس و پیش کرنے لگے۔ مگر وہ لوگ جن کے دل خوابیدہ تھے اور امتحان لینے پر تلے ہوئے تھے، کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ جب یہ مُصر رہے تو آپ نے بادلِ ناخواستہ نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لیکن یہ شرانگیز خیال

کرتے ہیں، کہ نقلی مُردہ جیسے ہی اللہ اکبر کی صدا پر اُٹھ کھڑا ہو جائے تو ہم قہقہے بلند کرینگے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک مردِ باصفا نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہو اور زندہ مُردہ نہ بن جائے۔ چنانچہ اختتامِ نماز کے بعد ان شرپسندوں نے حیرت و پریشانی سے قریب جا کر دیکھا تو فی الحقیقت اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، لیکن اب کفِ افسوس ملنے سے کیا رکھا تھا۔ اس واقعہ کے بعد آپ کی عظمت و بزرگی کے سبھی قائل ہو گئے اور تمام آپؒ کی تعظیم کرنے لگے۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ تعظیم ترک کے نام سے کیوں مشہور ہوئے؟ مختصر سا جواب ہے کہ آپؒ ہر کسی کی جس طرح عادتِ مقررہ ہے تعظیم نہیں کرتے تھے۔

آپ کی وفات کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کا انتقال ۱۱ ذی الحجہ کو ہوا۔ کسی تذکرہ نویس نے سن وفات بیان نہیں کی اور آپ کا مزار مُبارک مکہ دروازے کے قریب واقع ہے۔

آج بھی آپ کی اولاد امجاد کے چند افراد محلہ حویلی اور چند محلۂ جامع مسجد میں سکونت پذیر ہیں اور اسی نام سے پکارے جاتے ہیں۔

(روضۃ الاولیاء بیجاپور)

حاصلِ کلام بیجاپور ان گنت اولیاءِ کرام کا مسکن ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ نے یہاں اعلائے کلمۃ الحق میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اسے اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش کش
عالیجناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمد طاہر صاحب
قبلہ قادری مدظلہ العالی
B.A. ناظم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب
ویلور

"علمِ باطن کی چند جھلکیاں"

"انشاء عقائد ذوقی" حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی ویلوری

رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف ہے۔ اس گوہرِ نایاب تصنیف میں آپ نے بہت سے عجیب و نادر گوشوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے مطالعہ سے عقلِ انسانی محوِ حیرت ہوجاتی ہے۔ ان چند جواہر پاروں کو ناظرینِ اللطیف کے معلومات و دلچسپی کے لئے سپردِ قلم کرنے کی سعیٔ بلیغ کی جارہی ہے۔

منقول ہے کہ جب حضرت عثمان رضؓ کو لوگوں نے شہید کیا تو تین دن تک آپ کو دفن نہیں کیا گیا۔ ناگاہ ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ حضرت عثمان رضؓ کو دفن کردو، اور نمازِ جنازہ نہ پڑھو کیونکہ اللہ عزوجل نے نمازِ جنازہ پڑھ دیا ہے۔

منقول ہے کہ زمانۂ حج کے کسی موقع پر کچھ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے۔ ایک شخص بغرضِ تذلیل و تحقیر امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے روضہ پر نہ گیا۔ تمام قافلہ والے صحیح سلامت گئے اور سلامت واپس ہوئے۔ ایک درندہ قافلہ کے درمیان آیا اور اس شخص کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ تمام قافلہ والوں نے سمجھا کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی بے حرمتی کے سبب سے تھا۔

حضرت عثمان رضؓ کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کے دشمنوں میں سے کوئی بھی حافظِ قرآن نہ ہوسکا۔ یہ بات بارہا تجربہ سے دیکھی گئی۔

منقول ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰؓ قدم مبارک رکاب میں رکھ کر قرآن کی تلاوت شروع فرماتے تو دوسرے قدم کے رکاب میں پہنچنے تک پورا قرآن ختم فرماتے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ چوپایہ کی پشت پر سیدھا کھڑا ہونے تک تمام قرآن ختم فرماتے۔

حضرت اسماء بنت عمیس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناقل ہیں، حضرت فاطمہ رضؓ نے فرمایا کہ جس رات حضرت علی رضؓ نے مجھ سے خلوت کیا تو مجھے آپ سے اندیشہ ہوا کیونکہ میں نے سنا کہ زمین آپ سے کلام کرتی ہے۔ بوقت صبح میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل سجدہ کے بعد سر اٹھایا اور کہا اے فاطمہ تمہاری نسل کی پاکیزگی کی تمہیں بشارت،

ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر تمہارے شوہر کو فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا کہ اُن سے اپنے اخبار و احوال بتائے جو مشرق سے مغرب تک تمام روئے زمین پر گذر رہیگے۔

منقول ہے کہ جب امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے اور لوگ آپ کی خلافت پر متفق ہو گئے تو ان لوگوں میں ایک جوان آپ ہی کے گروہ سے تھا جو آپ کے روبرو آپ کے مخالفین سے جنگ کرتا تھا۔ اتفاقاً اس نے نکاح کر لیا۔ ایک دن حضرت علیؓ نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ایک شخص سے فرمایا کہ فلاں موضع میں جائیے۔ وہاں ایک مسجد ہے۔ مسجد سے متصل ایک گھر ہے، اس گھر میں عورت اور مرد آپس میں لڑائی کرتے ہیں۔ اُن کو میرے سامنے حاضر کرو۔

وہ شخص جاکر ان کو لایا۔ آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا آج کی رات تمہارا جھگڑا دراز ہو گیا۔ اس جوان نے کہا اے امیرالمومنین اس عورت سے میں نے نکاح کیا جب اس کے سامنے میں آیا مجھ کو اس سے نفرت ہو گئی اگر مجھ سے ہو سکتا تو اس کو اپنے سامنے سے دور کر دیتا۔ اس نے مجھ سے جنگ و نزاع کرنا شروع کر دیا تاوقتیکہ آپ کا قاصد پہونچا۔

پھر امیرالمومنین حضرت علیؓ نے حاضرین مجلس کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا اور اس جوان اور عورت کو بٹھا کر عورت سے کہا اس جوان کو پہچانتی ہے؟ عورت نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں تجھ سے اس طرح بیان کرتا ہوں کہ تو اس کو پہچان لیگی۔ لیکن حقیقت حال کا انکار نہ کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ تو فلاں عورت ہے، فلاں شخص کی بیٹی ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ فرمایا تو چچا کے لڑکے کو چاہتی تھی کہ تم دونوں ایک دوسرے کو دوست رکھتے تھے۔ اس نے اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمہارے باپ کی خواہش نہ تھی کہ تمہیں اسکی زوجیت میں دے۔ لہذا اس نے پسر عم کو اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ عورت نے اقرار کیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ایک رات قضائے حاجت کے لئے تو باہر نکلی اس نے تجھے پکڑ لیا اور تمہارے ساتھ ہمبستر ہوا، تو حاملہ ہوی اور اس کو ماں پر ظاہر کیا اور باپ سے مخفی رکھا۔ جب وضع حمل ہوا رات کا وقت تھا۔ تیری ماں تجھکو باہر لے گئی۔ جب بچہ پیدا ہوا تو ایک کپڑے میں لپیٹ کر دیواروں کے باہر جو لوگوں کے قضائے حاجت کی جگہ تھی وہاں پھینک دیا۔ ایک کتا آیا اس کو سونگھا۔ ایک پتھر تم نے اس کی طرف پھینکا۔ پتھر بچہ کے سر پہ لگا اور اس کا سر ٹوٹ گیا۔ تمہاری ماں نے اپنے ازاربند کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کے سر پہ باندھا۔ پھر تم اسے چھوڑ کر چلے گئے اور اس کا کوئی حال تم کو معلوم نہ ہوا۔ عورت نے تمام باتوں کا اقرار کیا۔

حضرت نے فرمایا کہ جب صبح ہوی تو فلاں قبیلہ نے اس بچہ کو لیا۔ اسکی تربیت و پرورش کی یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا اور قافلہ والوں کے ساتھ

دفنا دیا اور تجھکو اپنی زوجیت میں لیا۔ پھر اس جوان سے فرمایا کہ اپنے سر کو کھول۔ اس نے سر کھولا۔ پتھر کا نشان صاف ظاہر تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تیرا لڑکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو فعل حرام سے محفوظ رکھا۔ اپنے لڑکے کو لے اور جا۔

منقول ہے کہ اہل کوفہ نے کہا اے امیر المومنین اس سال دریائے فرات میں طغیانی آگئی ہے جس سے تمام کھیتیاں اور فصلیں ضائع ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ پانی کم ہو۔ آپ فوراً اٹھ کر گھر میں تشریف لائے۔ باہر تمام لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اچانک آپ باہر تشریف لائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جبہ آپ کے جسم مبارک پر، حضورؐ کا عمامہ آپ کے سر پر اور حضورؐ کا عصا آپ کے دستِ مبارک میں تھا۔ پھر آپ نے گھوڑا منگوایا سوار ہوئے۔ تمام لوگ آپ کے ساتھ چلنے لگے۔ جب فرات کے کنارے پہنچے، تو سواری سے اُتر کر دو رکعت نماز ادا کی، پھر اٹھے اور عصائے مُبارک ہاتھ میں لیا۔ دریا کے پُل پر چڑھے۔ امیر المومنین حسنؓ اور حسینؓ رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے پھر عصائے مبارک سے پانی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک گز پانی کم ہو گیا۔

دریافت فرمایا کہ کیا اس قدر کافی ہے۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ دوبارہ پانی کی طرف اشارہ کیا ایک گز پانی پھر کم ہو گیا۔

اسی طرح تین بار آپ نے اشارہ کیا اور ہر مرتبہ ایک گز پانی گھٹ گیا۔ لوگ شور کرنے اور چلّانے لگے کہ بس اسی قدر کافی ہے۔

وآخر دعونا عن الحمد للہ رب العالمین

مردِ حق

اعلیٰ حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ

از جناب افضل العلماء مولوی ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین صاحب
بخاری فاضل لطیفیہ
مدرس، دار العلوم لطیفیہ جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
مکان حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز

آئیے اس مردِ حق کے عطر بیز ذکر سے مشام جاں کو معطر کریں۔ زبدۃ العارفین **اعلیٰحضرت** سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہ العزیز دار النور بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد بزرگوار کا نام گرامی حضرت میراں سید ولی اللہ رضی اللہ عنہ ہے جو صاحب کمال نیک سیرت و نیک صورت بزرگ واقع ہوئے ہیں۔

آپ کے جد امجد حضرت سید شاہ عبد اللطیف عرف بابوجی قدس سرہٗ محمد عادل شاہ کے دور میں احمد آباد گجرات سے بیجاپور تشریف لائے آپکے اجداد کرام کی جملہ چھے پشتیں احمد آباد گجرات میں مدفون ہیں اور دو پشتیں بیجاپور میں۔ حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری عرف بابوجی علم و معرفت اور سیرت و صورت میں یگانہ ضمیمہ جواہر السلوک میں سید محمد قاد[illegible] ودا ماد حضرت قطبؒ ویلور قدس[illegible] در علم و معرفت و سیرت و صورت (آپ)

جہاں رات کی تاریکی میں بھٹکے ہوئے مسافروں کے لئے یہ چمکتے ستارے رہنمائی کا سبب ہوتے ہیں اسی طرح بھٹکی ہوی انسانیت کی ہدایت اللہ کے نیک اور خاص بندوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جب طاغوتی قوتیں اپنی پوری سرکشی اور فتنہ سامانیوں کے ساتھ کھڑی ہوجاتی ہیں اور ہر طرف شر و فساد کا بازار گرم ہوجاتا ہے۔ ظالم کا ظلم مظلوم کی برداشت انتہا کو پہنچ جاتی ہے انسانی زندگی سے امن و سکون چھن جاتا ہے اور انسانیت بیچیخ اٹھتی ہے تو اس خطہ کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو منتخب فرماتا ہے جو گم کردۂ منزل انسانوں کی رہنمائی کے لئے شب و روز مصروف عمل ہوجاتے ہیں۔ انکے قول و فعل کی مطابقت اور ان کا عظیم کردار سلیم الطبع گمراہ انسانوں کے لئے مشعل راہ بن جاتا ہے۔

آج سے تقریباً تین صدی پیشتر ویلور جس کو دار النور سے بھی یاد کیا جاتا ہے ۱۱۳۸ھ میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ایک مخصوص بندے کو روانہ کیا۔ اس مردِ حق اور اس کی مقدس اولاد امجاد کی پیہم جد و جہد و جانفشانیوں سے سارا علاقہ علم کی روشنی سے جگمگا اٹھا اور جہالت کی تاریکیاں کافور ہوگئیں۔

یگانۂ وقت بود مرہٹہ و راجپوت و دیگر اقوام ہنود ہر سبب دیدارِ او را موجب برکت می پنداشتند و او را باپو جی می خواندند از گجرات بہ بیجاپور رسید۔	یگانۂ وقت تھے مرہٹہ راجپوت اور دوسری ہندو قومیں ہر سبب آپ کے دیدار کو باعث برکت جانتے تھے اور آپ کو باپو جی کے نام سے بلایا جاتا تھا گجرات سے بیجاپور تشریف لائے۔

ضمیمہ جواہر السلوک صفحہ 260

آپ یعنی حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہٗ کے نانا کے جدِ امجد سید شاہ ابوالحسن قادری قدس سرہٗ العزیز بھی ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے زمانے میں اپنے آبا و اجداد کا وطن محمد آباد بیدر چھوڑ کر بیجاپور تشریف لائے۔ آپ کا سلسلۂ نسب شیخا سلطان الاولیاء حضرت محی الدین سید شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز سے ملتا ہے۔ صحیفۃ الہدیٰ میں مرقوم ہے کہ جس وقت حضرت پر مورچھل ہلایا جاتا اس کی تاروں سے نور کی چمک عیاں ہوتی تھی۔ آپ کا شمار اپنے دور کے اولیاء کبار سے ہوتا ہے۔ آپ صاحب تصرف بزرگ تھے۔ آپ کا انتقال ۱۰۴۵ھ بیجاپور میں ہوا۔ مزار مقدس حصارِ بیجاپور کے باہر اللہ پور نامی دروازہ کی طرف واقع ہے۔

یہ دونوں خانوادے دولت عادل شاہی [illegible] [بیج]اپور آئے یہیں سکونت پذیر ہوئے اور خوب رشد و [illegible] [illegible]ں کی روایات تہذیب و علم و حکمت کے [illegible]

[illegible] [جن]اب پرنسپال اردو کالج حیدرآباد لکھتے ہیں۔ کہ "دولت عادل شاہیہ کی ادب نوازی اور علم پروری کی وجہ سے ملک کے مختلف حصوں کے بزرگان دین، صوفیائے کرام، شعراء و مصنفین بیجاپور میں جمع ہو گئے تھے۔ ان کی بدولت بیجاپور ایک مدت تک علم و ادب کا بڑا مرکز بنا رہا اور سلوک و معرفت اور علم و حکمت کا ایک فیضانِ عام تھا جو یہاں سے جاری تھا۔"

اعلیٰحضرت سید شاہ عبداللطیف قادری قدس سرہٗ

پدری سلسلۂ نسب سے حسینی اور مادری سلسلۂ نسب حسنی نجیب الطرفین ہیں۔ اپنے والد ماجد کے زیر سایہ جو زبردست عالم اور صاحبِ طریق بزرگ تھے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پہلے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد علوم معقول و منقول میں تکمیل کی۔ اپنے نانا حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ خلافت سے مشرف ہوئے اور ایک سو اکانوے سلاسل میں اجازت حاصل فرمائی۔

مادرِ وے بنتِ سید شاہ ابوالحسن عرف گورے حسن صاحب است کہ از اولادِ غوث الاعظم و از مشاہیر عرفا و علماءِ بیجاپور بود و مخزن السلاسل ز مصنفات اوست۔ (ضمیمہ جواہر السلوک)	آپکی والدہ محترمہ سید شاہ ابوالحسن عرف گورے حسن صاحب کی دختر ہیں جو حضرت غوث الاعظم کی اولاد اور بیجاپور کے مشہور عرفا اور علماء سے تھے۔ مخزن السلاسل آپ ہی کی تصنیف ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن ثانی قدس سرہٗ مصنف مخزن السلاسل کا شمار سکندر عادل شاہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے مشہور و معروف بزرگوں میں ہوتا ہے۔ آپ کی ذاتِ والا صفات کمالاتِ ظاہری و باطنی کی جامع

تھی ۱۱۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزارِ مقدس موضع کنکال میں واقع ہے۔

اعلیحضرت قدس سرہٗ میں صبر و رضا، جود و عطا، تقویٰ اور پرہیزگاری بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ حسین صورت ہونے کے ساتھ حسن سیرت کے بھی مالک تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے زبردست عالم تھے۔ آپ کا قد بلند اور رنگ گندم گوں تھا۔

بورع و تقویٰ و صدق و صفا، موصوف بود۔ معہذا کان مشتہراً بین الخلق بجمال الحسن و الخلق بلند قد گندم گوں و خوبصورت و نیکو سیرت بود۔ در عقائد فقہ و حقائق و سلوک مہارت تمام می داشت (ضمیمہ جواہر السلوک)	(آپ) پرہیزگاری، تقویٰ اور صدق و صفا کے ساتھ متصف تھے اس کے ساتھ لوگوں میں کمال حسن و خلق میں مشہور تھے۔ بلند قد گندم گوں خوبصورت اور نیک سیرت تھے آپ عقائد فقہ حقائق و سلوک میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری علیہ الرحمہ آپ کے تبحر علمی کو مثنوی مطلع النور میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

در سلوک و حقائق لے فاخر
اور بفقہ و عقائد ظاہر
تھی مہارت اسے بڑی حاصل
اور اقراں میں اپنے تھا کامل
وطن اصلی ہے اس کا بیجاپور
تھا وہاں کے شیوخ میں مشہور

آپ کا عقد سید شاہ ابو القاسم الملقب بہ درایت خان جو شہنشاہ عالمگیر کے پاس منصب پنج ہزاری بہ فائز تھے جنکو شاہ نے درایت خان کا لقب عطا کیا تھا ان کی دختر نیک اختر حضرت ساجدہ بیگم سے ہوا جن کے بطن مبارک سے ۱۱۱۷ھ شب برات کے موقع پر سید العارفین اعلیحضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابو الحسن قربی قدس سرہ العزیز پیدا ہوئے۔ آپ نے آپ کو اپنے نانا کا نام رکھا اور اپنی سنت پوری کی۔

۱۰۹۷ھ مطابق ۱۶۸۶ء میں عادل شاہی دور کا خاتمہ ہو گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے سکندر عادل شاہ سے قلعہ کی چابیاں لیتے ہوئے بیجاپور کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ ۱۱۱۸ھ م ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند محمد معظم تخت نشین ہوئے۔ شمال میں راجپوتوں اور سکھوں نے اور جنوب میں مرہٹوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ چونکہ بادشاہ راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوت کو دبانے میں مصروف تھا دکن کے معاملات کی اصلاح نہ کر سکا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی حالت خراب ہوتی گئی۔ انتشار بڑھتا گیا جس کی وجہ علم و ادب کا شیرازہ بکھر گیا۔ سینکڑوں علم دوست و علم پرور خاندان ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔

بہت سے خاندان بیجاپور سے کرناٹک اور دوسرے علاقوں کی طرف نکل گئے۔ ادھر قدرت آپ سے اور آپ کی اولاد امجاد سے کچھ اور ہی کام لینا چاہتی تھی کہ آپ بھی ۱۱۲۰ھ میں بیجاپور سے نکل کر شاہ نور آ گئے جو ہبلی کے جنوب میں تقریباً چالیس میل دور واقع ہے۔ یہاں

دو سال قیام فرمایا۔ وہاں سے سِرا جو علاقہ میسور میں ٹمکور سے تینتیس ۳۳ میل دُور واقع ہے سنہ ۱۱۳۲ھ تک سکونت اختیار کی۔ یہاں تقریبًا دس سال تک رہنے کے بعد آرکاٹ پہنچے۔ جہاں آپ کا قیام چھے سال تک رہا۔

ضمیمۂ جواہر السلوک میں حضرت قربی قدس سرہٗ کے حالات میں مرقوم ہے :-

از بیجاپور شاہ نورؒ و	بیجاپور سے شاہ نورؒ وہاں
پس از دو سال ازانجا بہ سرا	سے دو سال کے بعد سرا
درآمد و ازانجا در سن یکہزار	آئے۔ سرا سے سنہ ۱۱۳۲ھ
و یکصد و سی و دو بآرکاٹ	میں آرکاٹ پہنچے۔ یہاں
رسید و شش سال درآنجا	چھے سال قیام فرمایا۔ وہاں
سکونت اختیار کرد، ازانجا	سے آکر شہر ویلور کو اپنا
در بلدۂ ویلور اختیار نمود۔	وطن بنا لیا۔

اعلیحضرت قدس سرہٗ جس وقت آرکاٹ پہنچے، یہ نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خان کا دَور تھا۔ آرکاٹ کی حالت بھی اسوقت مخدوش تھی۔ آپ سنہ ۱۱۳۸ھ میں براہ وردمبٹ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ویلور میں داخل ہوئے رات بھی اسی جگہ قیام فرمایا جو آج مکان حضرت قطب ویلور کے نام سے مشہور ہے۔ اسی شب خواب میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اسی مقام کو اختیار کرنے کی تاکید کی اور ارشاد فرمایا کہ اس مقام پہ مسجد۔ اس مقام پہ مدرسہ اور اس مقام پہ خانقاہ تعمیر کرو۔ تمہاری اولاد سے اہل عالم کو فیض پہنچیگا۔ حسب ارشادِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ نے اس جگہ کو اختیار کرلیا۔

خلق خدا کی رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے۔ اسی زمانے سے بندگان خدا کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ علم وعرفان کے جس پودے کو آپ نے لگایا تھا آپکی اولاد امجاد نے ہر دَور میں ناسا عد حالات کے باوجود اپنی انتہائی جدو جہد وجانفشانی سے اس کی آبیاری کی۔ وہ پودا آج ایک تناور درخت کی شکل میں نمودار ہوچکا ہے، جس کی شاخیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جنوب والوں پہ یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس خاندان سعادت نشان نے ان کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ یہاں سے جہالت کی تاریکیوں کو دُور کرکے علم کی روشنی سے اس خطہ کو منور کردیا۔

خصوصًا تیرھویں صدی ہجری میں زبدۃ العارفین الحاج الحافظ محی الملۃ والدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی دینی اور ملی خدمات جس میں آپکے ہفتہ واری خطبات استفتاء، و رسائل کے جوابات تصوف، عقائد اور مختلف علوم وفنون پہ لکھی ہوئی تصنیفات اس خاندان کی عظیم خدمات کی شہادت دے رہے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ناظرین! خاندان اقطاب ویلور کا یہ زرین دَور تھا جس میں اس کی خدمات بام عروج پہ پہنچ چکی تھیں۔

حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز سے مولانا محمد استنبولی ثم المکی مولانا محمد خان بدخشانی ثم المدنی مولانا مولوی محمد محی الدین صاحب

فقیہہ المعروف بہ ڈبلے محی الدین صاحب، مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری مصنف جان السیر مولانا عبدالوہاب صاحب بانی مدرسہ باقیات الصالحات ویلور، جیسی شخصیتیں فیضیاب ہوکر خاندان اقطاب ویلور کی تحریک (مشن) کو آگے بڑھایا۔

مؤخرالذکر بزرگ اپنے پیر و مرشد حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کے ارشاد پر تحصیلداری کو چھوڑتے ہوئے حیدرآباد سے ویلور واپس چلے آئے اور منصب درس و تدریس پر فائز ہوگئے۔ اس طرح حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے جنوب میں ایک اور چراغ کو روشن کردیا۔

اس حقیقت میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ سارے دکن خصوصاً علاقۂ مدراس میں یہی وہ ایک خاندان ہے جو تقریباً تین صدیوں سے دینی، علمی، عرفانی اور ادبی خدمات انجام دیتا آرہا ہے اور جنوب میں آج بھی علم کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اعلیٰ حضرت شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری تقریباً بارہ سال تک ویلور دارالسرور میں خدمت دین انجام دیتے رہے اور اہل جنوب کو فیوضات و برکات سے مالا مال کرتے ہوئے ۱۱۴۹ھ میں واصل بحق ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کا مزار مقدس جامع مسجد ویلور کے احاطہ میں مشرقی جانب مرجع خاص و عام ہے۔ اعلیحضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ نے مندرجۂ ذیل قطعۂ تاریخ وفات لکھ کر گنبد پر چسپاں فرمایا ہے۔

قبلہ و کعبہ جدِ من سید
شاہ عبداللطیف عرش راہ
کرد رحلت بگفت رکن الدین
سال ترحیل، غاب قطب اللہ
۱۱۴۹ ھ

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اقطاب ویلور قدس اسرارہم کے طفیل میں ہمیں دین و دنیا میں سرخروئی عطا فرمائے۔

آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منقبت

قطب الاقطاب زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین استاذ الاساتذہ
شیخ المشائخ حضرت الحاج الحافظ مولانا محی الدین سید شاہ
عبداللطیف نقوی قادری مجمع السلاسل المشہور بہ حضرت قطب ویلور
قدس سرہٗ العزیز

محمد مصطفےٰ کے پرتو نور
بزرگ صاحب دل قطب ویلور

تمہارے آستاں کا ذرہ ذرہ
ہے عکس جلوہ گاہ محفل نور

تمہارے جام عرفاں نے کیا ہے
ہزاروں دیکھنے والوں کو مسرور

تمہارا چشمۂ علم نبوت
لطیفیہ ہے دنیا بھر میں مشہور

ضیاؔ کو بھی عطا ہو نور عرفاں
خدا کے خاص بندوں کا ہے دستور

عقیدت کیش :-

حافظ محمد سید اللہ بختیاری ضیا لطیفی دارالارشاد علیم آباد رایچوٹی (ضلع کڈپہ آندھرا پردیش)

۷۸۶
۹۲

مخزن السلاسل

(دوسری قسط)

تصنیف لطیف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت
مولانا سید شاہ ابوالحسن قادری ثانی
بیجاپوری
قدس سرہٗ

مخزن السلاسل

از جناب
افضل العلماء ابو المکارم مولوی
سید مصطفیٰ حسین بخاری صاحب
فاضل لطیفیہ۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ
و جنرل سکریٹری انجمن ادارۃ المعارف مکتبہ قطب ویلور

(دوسری قسط)

تصنیف لطیف قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری ثانی بیجاپوری قدس سرہٗ

سالنامۂ "اللطیف" میں گذشتہ سال اسکی پہلی قسط شائع ہو چکی ہے۔ مخزن السلاسل عجیب و غریب ہی نہیں بلکہ نادر و نایاب کتاب ہے۔ جس میں حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری ثانی بیجاپوری قدس سرہٗ نے ایکسو اکانوے سلاسل کو جمع فرمایا ہے۔ صاحب کتاب کو ان تمام سلسلوں میں اجازت حاصل تھی۔ آپ نے اپنے ہمشیر زادہ سید شاہ کریم اللہ قادری قدس سرہٗ کو مذکورہ تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرماتے ہوئے آداب بیعت و ارشاد سے روشناس کیا ہے۔

بہت کم حضرات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی صاحب بیعت و خلافت واقع ہوئے ہیں سلسلۂ عالیہ قادریہ کے پانچویں سلسلہ میں مذکورہ مقدس شخصیتوں کے نام سلسلۃً مذکور ہیں۔

مخزن السلاسل کی یہ دوسری قسط ترجمہ کے ساتھ پیش کیجا رہی ہے جو سلاسل عالیہ قادریہ پر مشتمل ہے۔

واما خرقة القادرية فاثنتا عشر

احدیها البسها الفقیر شاه ابو الحسن القادری الثانی من عمه السید نعمت الله وهو من ابیه شاه ابو الحسن وهو من ابیه السید بدر الدین حبیب الله

خرقہائے قادریہ بارہ ہیں

پہلا خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن قادری ثانی نے اپنے چچا سید نعمت اللہ سے پہنا ہے، اور وہ اپنے والد شاہ ابو الحسن اور وہ اپنے والد سید بدر الدین حبیب اللہ سے، وہ اپنے

وهو من ابيه السيد عبد القادر يوسف الثاني
وهو من ابيه السيد شمس بهاء الدين
العارف وهو من ابيه السيد يونس الثاني
وهو من ابيه السيد عبد الرحمان اشرف
جهانگير وهو من ابيه السيد يونس شرف
جهان وهو من ابيه السيد يوسف حاجي
الحرمين وهو من ابيه السيد احسن الدين
وهو من ابيه السيد محمد ضوء احمد وهو
من ابيه السيد ابي النصر محي الدين وهو من
ابيه السيد عماد الدين ابي صالح نصر
وهو من ابيه السيد عبد الرزاق وهو من
ابيه سلطان السالكين غوث المسلمين
امام المتصرفين رئيس المحبوبين القطب
الرباني المحبوب السبحاني محي الدين ابي صالح
السيد عبد القادر الحسني الحسيني الجعفري
الجيلاني وهو من شيخه الشيخ ابي سعيد
مبارك بن علي المخرمي وهو من شيخه ابي
الحسن علي القريشي الهنكاري وهو من شيخه
الشيخ ابي الفرح يوسف الطرطوسي وهو من
عمه الشيخ عبد الواحد اليمني وهو من
شيخه الشيخ ابي بكر محمد الشبلي وهو من
شيخه سيد الطائفه ابي القاسم الجنيد البغدادي
وهو من شيخه وخاله السري السقطي وهو
من شيخه الشيخ معروف الكرخي وهو من

والد سید عبد القادر یوسف ثانی سے، وہ اپنے
والد سید شمس بہاؤ الدین عارف سے، وہ اپنے
والد سید یونس ثانی سے، وہ اپنے
والد سید عبد الرحمٰن اشرف جہانگیر سے،
وہ اپنے والد سید یونس اشرف جہاں سے،
وہ اپنے والد سید یوسف حاجی الحرمین،
سے، وہ اپنے والد سید احسن الدین سے، وہ
اپنے والد سید محمد ضوء احمد سے، وہ
اپنے والد سید ابو النصر محی الدین سے، وہ
اپنے والد سید عماد الدین ابو صالح نصر سے،
وہ اپنے والد سید عبد الرزاق سے، وہ اپنے
والد سلطان السالکین، غوث المسلمین
امام المتصرفین، رئیس المحبوبین، قطب ربانی
محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبد القادر
حسنی حسینی جعفری جیلانی سے،
آپ اپنے شیخ، شیخ ابو سعید مبارک
ابن علی مخرمی سے، وہ اپنے شیخ ابو الحسن
علی قرشی ہنکاری سے، اور وہ اپنے شیخ
شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی سے، اور
وہ اپنے چچا شیخ عبد الواحد یمنی سے، اور وہ
اپنے شیخ شیخ ابوبکر محمد شبلی سے، وہ اپنے
شیخ سید طائفہ ابو القاسم جنید بغدادی
سے، وہ اپنے شیخ اور ماموں سری سقطی سے
اور وہ اپنے شیخ، شیخ معروف کرخی سے، وہ

مشيخه الامام على موسى الرضا وهو من ابيه الامام موسى الكاظم وهو من ابيه الامام جعفر الصادق وهو من ابيه الامام محمد الباقر وهو من ابيه الامام على زين العابدين وهو من ابيه اشرف الشهداء ومحبوب خير الانبياء ابى عبدالله الحسين وهو من ابيه اسدالله الغالب امير المؤمنين على ابن ابى طالب كرم الله وجهه وهو من خاتم النبيين رسول رب العالمين شفيع المذنبين محمد الامين صلى الله عليه وسلم وعلى آله واصحابه وسلم وهو من امر ذى النور المبين بواسطة الروح الامين۔

الثانية لبسها الفقير سيد نور الله الثانی وهو من ابيه السيد عبدالقادر الثانی وهو من ابيه السيد عبدالقادر المعروف بسيد نور الله الثانی وهو من ابيه الشاه ابو الحسن القادری الثانی من عمه السيد نعمت الله وهو من ابيه الشاه ابى الحسن وهو من الشيخ پير محمد لطف الله ابن الشيخ موسى وهو من الشيخ احمد ابن الشيخ محمد وهو من ابيه الشيخ سيد محمد الحموی (در نسخه سید نبیت) وهو من ابيه الشيخ سيد قاسم بن باسط وهو من الشيخ شهاب الدين ابى العباس احمد وهو من ابيه (در نسخه سید بت السيد بدر الدين حسن وهو من ابيه) السيد علاؤ الدين وهو من ابيه السيد شمس الدين محمد وهو من ابيه السيد شرف الدين يحيیٰ احمد وهو من ابيه السيد شهاب الدين احمد وهو من

اپنے شیخ امام علی موسیٰ رضا سے اور وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد اشرف الشہدا محبوب خیر الانبیاء ابو عبداللہ حسین سے، آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ خاتم النبین رسول رب العالمین، شفیع المذنبین، محمد الامین صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے بواسطہ روح الامینؑ پہنا ہے۔

دوسرا خرقہ فقیر سید نور اللہ ثانی نے پہنا ہے وہ اپنے والد سید عبدالقادر ثانی سے، وہ اپنے والد سید عبدالقادر المعروف بہ سید نور اللہ سے وہ اپنے والد شاہ ابو الحسن قادری ثانی سے وہ اپنے چچا سید نعمت اللہ سے وہ اپنے والد شاہ ابو الحسن سے، وہ اپنے شیخ پیر محمد لطف اللہ ابن شیخ موسیٰ سے، وہ شیخ احمد بن شیخ محمد سے وہ اپنے والد سید محمد حموی سے، وہ اپنے والد شیخ سید قاسم بن باسط سے، وہ اپنے شیخ شہاب الدین ابو العباس احمد سے، وہ اپنے والد سید بدر الدین حسن سے، وہ اپنے والد سید علاؤ الدین سے وہ اپنے والد سید شمس الدین محمد سے وہ اپنے والد سید شرف الدین یحییٰ احمد سے وہ اپنے والد سید شہاب الدین احمد سے، وہ اپنے

ابیہ السید عماد الدین ابی صالح نصر وھو من
ابیہ السید تاج الدین عبدالرزاق وھو من
ابیہ سلطان السالکین غوث السلمین امام
المتصرفین رئیس المحبوبین القطب الربانی
المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید
عبد القادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی
وھو من السید الامام ابی محمد حسن العسکری و
ھو من ابیہ الامام علی الھادی محمد تقی وھو من
ابیہ الامام اشرف الدین محمد تقی الجواد وھو من ابیہ
الامام علی موسیٰ الرضیٰ وھو من ابیہ الامام
موسیٰ الکاظم وھو من ابیہ الامام جعفر
الصادق وھو من ابیہ الامام محمد الباقر وھو
من ابیہ الامام علی زین العابدین وھو من
ابیہ اشرف الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء
الامام ابی عبداللہ الحسین وھو من ابیہ
اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی بن ابی
طالب کرم اللہ وجھہٗ وھو من خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد
الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ و
سلم وھو من امر ذی النور المبین
بواسطہ روح الامین۔

والد سید عماد الدین ابو صالح نصر سے، وہ اپنے
والد سید تاج الدین عبدالرزاق سے، وہ اپنے والد
سلطان السالکین، غوث المسلمین، امام المتصرفین
رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی
محی الدین ابو محمد صالح سید عبدالقادر حسنی حسینی
جعفری جیلانی سے اور آپ سید امام ابو محمد
حسن عسکری سے، وہ اپنے والد
امام علی ہادی محمد تقی سے، وہ اپنے والد
امام شرف الدین محمد تقی جواد سے، وہ اپنے والد
امام علی موسیٰ رضا سے، وہ اپنے والد امام
موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد
امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد
امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام علی زین العابدین
سے، وہ اپنے والد اشرف الشہداء محبوب
خیر الانبیاء امام ابو عبداللہ الحسینی سے
آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین
علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ، آپ خاتم النبیین
رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد
الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ
وسلم سے، اور آپ نے نور مبین کے حکم سے
بواسطۂ روح الامین پہنا ہے۔

پچھلے صفحہ کا لہ وفی نسخۃ وھو محمد وھو من سید کریم اللہ وھو من
و در نسخہ از سید نور اللہ تا ابیہ نیست، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سلاسل کی طرح یہاں بھی سید شاہ ابو الحسن قادری
ثانی بیجاپوری کا نام مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

الشيخ السري السقطي وهو من مرشده معروف
الكرخي وهو من مرشده الامام علي موسى الرضا وهو
من ابيه الامام موسى الكاظم وهو من ابيه الامام
جعفر الصادق وهو من ابيه الامام محمد الباقر وهو
من ابيه الامام علي زين العابدين وهو من ابيه
اشرف الشهداء ومحبوب خير الانبياء الامام ابي
عبد الله الحسين وهو من ابيه اسد الله الغالب
امير المومنين علي ابن ابي طالب كرم الله وجهه
وهو من خاتم النبين رسول رب العالمين
شفيع المذنبين محمد الامين صلى الله عليه وآله
واصحابه وسلم وهو من امر ذي النور المبين
بواسطة روح الامين۔

الرابعة لبسها الفقير شاه ابو الحسن من
ابن عم امه السيد نور الله وهو من ابيه السيد
علي محمد وهو من ابيه شيخه السيد محمد وهو من
ابيه السيد جلال ماه عالم وهو من ابيه السيد حسن
وهو من ابيه السيد عبد الغفور وهو من ابيه السيد
احمد وهو من ابيه السيد راجو وهو من ابيه السيد[1]
برهان الدين ابي محمد عبد الله المشهور بقطب العالم
وهو من ابيه السيد ناصر الدين محمود وهو من ابيه السيد
جلال الدين الحسني الحسيني البخاري مخدوم جهانيان
وهو من الشيخ محمد بن عبد الغيثي زين الدين وهو
من شمس الدين عبيد بن فاضل وهو من ابيه ابي المكارم

وہ اپنے مرشد اور ماموں شیخ سری سقطی سے اور وہ
اپنے مرشد معروف کرخی سے اور وہ اپنے مرشد امام علی
موسیٰ رضا سے اور وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے
اور وہ اپنے والد امام جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد
امام محمد باقر سے اور وہ اپنے والد امام علی
زین العابدین سے اور وہ اپنے والد اشرف شہدا محبوب
خیر الانبیاء امام ابو عبداللہ حسین سے اور آپ اپنے والد
اسداللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ
وجہہ سے اور آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین
شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ
وسلم سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطہ
روح امین پہنا ہے۔

چوتھا خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے
چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد
سید علی محمد سے، وہ اپنے والد اپنے شیخ سید محمد سے
وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ اپنے والد سید حسن
سے، وہ اپنے والد سید عبد الغفور سے، وہ اپنے والد سید
احمد سے، وہ اپنے والد سید راجو سے وہ اپنے والد
سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم
سے، وہ اپنے والد سید ناصر الدین محمود سے، وہ اپنے والد
سید جلال الدین حسنی حسینی بخاری مخدوم جہانیاں سے
وہ اپنے شیخ محمد بن عبد الغیثی زین الدین سے، وہ شمس الدین
عبید ابن فاضل سے، وہ اپنے والد ابو المکارم فاضل

[1] السید محمد بن عبداللہ الملقب بشاہ عالم من عبداللہ وھو من ابیہ ۱۲

فاضل بن عبید الغیثی وھو من الشیخ ابی الغیث بن جمیل وھو من الشیخ شمس الدین علی بن افلح وھو من الشیخ شمس الدین علی الاھدل وھو من سلطان السالکین امام المتصوفین، رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبد القادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی وھو من الشیخ ابی سعید علی مبارک المخرمی وھو من الشیخ ابی الحسن علی القرشی الھنکاری وھو من الشیخ ابی الفرح یوسف الطرطوسی وھو من الشیخ عبد الواحد الیمنی وھو من ابیه عبد العزیز الیمنی وھو من ابی بکر محمد الشبلی وھو من سید الطائفہ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من خاله الشیخ السری السقطی وھو من الشیخ معروف الکرخی وھو من الامام علی موسی الرضا وھو من ابیه الامام موسی الکاظم وھو من ابیه الامام جعفر الصادق وھو من ابیه الامام محمد باقر وھو من ابیه الامام علی زین العابدین وھو من ابیه اشرف الشھدا ومحبوب خیر الانبیا الامام ابی عبد اللہ الحسین وھو من ابیه اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھه وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی اللہ علیه وعلی آله واصحابه وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

بن عبید الغیثی، وہ شیخ ابو الغیث ابن جمیل سے وہ شیخ شمس الدین علی ابن افلح سے، وہ شیخ شمس الدین علی اہدل سے، وہ سلطان السالکین امام المتصوفین، رئیس المحبوبین، قطب ربّانی محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبد القادر حسنی حسینی جعفری جیلانی سے آپ شیخ ابو سعید علی مبارک مخزمی سے، وہ شیخ ابو الحسن علی قرشی ھنکاری سے، وہ شیخ ابو الفرج یوسف طرطوسی سے، وہ شیخ عبد الواحد یمنی سے وہ اپنے والد عبد العزیز یمنی سے، وہ ابو بکر محمد الشبلی سے وہ سید طائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے وہ اپنے ماموں شیخ سری سقطی سے، وہ شیخ معروف کرخی سے، وہ امام علی موسیٰ رضا سے، وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمّد باقر سے، وہ اپنے والد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد اشرف شہدا، ومحبوب خیر الانبیاء امام ابو عبد اللہ حسین سے آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ وسلم سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین پہنا ہے۔

الخامسة لبسها الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن
عم أمه السید نور اللہ وھو من ابیه السید علی محمد و
ھو من شیخه السید محمد وھو من ابیه السید جلال ماہ
عالم وھو من السید شیر محمد بن احمد وھو من جدہ السید
عرب شاہ وھو من ابیه السید محمد زاھد وھو من اخیه السید
محمد بن عبد اللہ الملقب بشاہ عالم من عند اللہ وھو من
ابیه السید برھان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور بقطب
العالم وھو من اخ جدہ السید صدر الدین ابی الفضل محمد
راجو وھو من اخیه السید جلال الدین الحسین الحسینی
البخاری مخدوم جھانیاں ھو من الشیخ نور الدین علی
بن عبد اللہ الطواشی ویقال له صاحب الجزیرۃ ایضا و
ھو من الشیخ صالح البربری وھو من الشیخ کمال الدین
الکوفی وھو من الشیخ سعید الدین ابی الفتوح البغدادی
وھو من سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین
رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی
محی الدین ابی صالح السید عبد القادر الحسنی الحسینی
الجعفری الجیلانی وھو من الشیخ احمد الاسود الدینوری
وھو من ممشاد علوی الدینوری وھو من الشیخ ابی
الحسن احمد بن محمد الخوارزمی وھو من سلیمان بن
عبد الرحمن الدارانی وھو من محمد بن الحسن الشیبانی
وھو من الامام الاعظم ابی حنیفة الکوفی وھو من
الامام جعفر الصادق وھو من ابیه الامام محمد باقر وھو
من ابیه الامام علی زین العابدین وھو من ابیه اشرف
الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء والانام الامام ابی عبد اللہ

پانچواں خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے چچا
زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید
علی محمد سے، وہ اپنے شیخ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال
ماہ عالم سے، وہ سید شیر محمد ابن احمد سے، وہ اپنے دادا سید
عرب شاہ سے، وہ اپنے والد سید محمد زاہد سے، وہ اپنے
بھائی سید محمد بن عبد اللہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے
شاہ عالم کا لقب عطا ہوا، وہ اپنے والد سید برہان الدین ابو محمد
عبد اللہ المشہور بہ قطب عالم سے، وہ اپنے دادا کے بھائی سید صدر الدین
ابو الفضل محمد راجو سے، وہ اپنے بھائی سید جلال الدین حسین
حسینی بخاری مخدوم جہانیاں سے، وہ شیخ نور الدین علی
بن عبد اللہ طواشی سے جن کو صاحب جزیرہ بھی کہا جاتا
ہے، وہ شیخ صالح بربری سے، وہ شیخ کمال الدین کوفی
سے، وہ شیخ سعید الدین ابو الفتوح بغدادی سے، وہ
سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید
عبد القادر حسنی حسینی جعفری جیلانی سے، آپ
شیخ احمد اسود دینوری سے، وہ ممشاد علوی دینوری سے
وہ شیخ ابو الحسن احمد ابن محمد نوری بغدادی سے
وہ شیخ ابو الحسن احمد بن محمد خوارزمی سے،
وہ سلیمان ابن عبد الرحمن دارانی سے
وہ محمد بن حسن شیبانی سے، وہ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی سے
وہ امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر
سے، وہ اپنے والد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے
والد اشرف شہداء محبوب خیر الانبیاء والانام امام ابو عبد اللہ

الحسین وھو من اسد اللہ الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد ن الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین۔

حسین سے آپ اسد اللہ غالب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع مذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین پہنا ہے۔

السادسۃ لبسھا الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من شیخہ السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من ابیہ السید حسن وھو من ابیہ السید عبد الغفور وھو من ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو من ابیہ السید محمد بن عبد اللہ الملقب بشاہ عالم من عند اللہ وھو من ابیہ السید برھان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور بقطب العالم وھو من اخیہ السید شمس الدین حامد وھو من جدہ السید جلال الدین الحسین الحسینی البخاری مخدوم جہانیان وھو من الشیخ ابی محمد بن عبد اللہ بن اسمٰعیل بن علی نزیل الحرمین الشریفین الیمنی المعروف بالشیخ الامام عبد اللہ الیافعی وھو من الشیخ[1] محمد بن نور الدین علی بن عبد اللہ الطواشی وھو من الشیخ صالح البربری وھو من الشیخ کمال الدین الکوفی وھو من الشیخ سعید الدین ابی الفتوح البغدادی وھو من سلطان السالکین غوث المسلمین

چھٹا خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد سے، وہ اپنے شیخ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ اپنے والد سید حسن، وہ اپنے والد سید عبد الغفور سے، وہ اپنے والد سید احمد سے، وہ اپنے والد سید راجو سے، وہ اپنے والد سید محمد بن عبد اللہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے شاہ عالم کا لقب عطا ہوا وہ اپنے والد سید برہان الدین ابو محمد عبد اللہ المشہور قطب عالم سے، وہ اپنے بھائی سید شمس الدین حامد سے، وہ اپنے دادا سید جلال الدین حسین حسینی بخاری مخدوم جہانیاں سے، وہ شیخ ابو محمد ابن عبد اللہ ابن اسماعیل ابن علی نزیل حرمین شریفین یمنی المعروف بہ شیخ الامام عبد اللہ یافعی سے، وہ شیخ محمد ابن نور الدین علی ابن عبد اللہ طواشی سے، وہ شیخ صالح بربری سے، وہ کمال الدین کوفی سے، وہ شیخ سعید الدین ابو الفتوح بغدادی سے،

وہ سلطان السالکین، غوث المسلمین

[1] من الشیخ نور الدین ۱۲

امام المتصرفین رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری وھو من ابی سعید المبارک بن علی المخرمی وھو من الشیخ ابی الحسن علی القرشی الھنکاری وھو من الشیخ ابو الفرج یوسف الطرطوسی وھو من الشیخ عبدالواحد الیمنی وھو من ابیہ عبدالعزیز الیمنی و ھو من ابی بکر محمد الشبلی وھو من سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھو من خالہ الشیخ السری السقطی وھو من الشیخ معروف الکرخی وھو من داؤد الطائی وھو من الحبیب العجمی وھو من الحسن البصری وھو من اسد اللہ الغالب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وھو من خاتم النبین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبدالقادر حسنی حسینی جعفری سے، آپ ابو سعید مبارک ابن علی مخرمی سے، وہ شیخ ابو الحسن علی قرشی ھنکاری سے، وہ شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی سے، وہ شیخ عبدالوحد یمنی سے، وہ اپنے والد عبدالعزیز یمنی سے، وہ ابو بکر محمد شبلی سے، وہ سید طائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں شیخ سری سقطی سے، وہ شیخ معروف کرخی سے، وہ داؤد طائی سے، وہ حبیب عجم سے، وہ حسن بصری سے، وہ اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین پہنا ہے۔

السابعۃ لبسھا الفقیر شاہ ابو الحسن من

ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من شیخہ السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من ابیہ السید حسن وھو من ابیہ السید عبدالغفور وھو من ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو من ابیہ السید محمد بن عبداللہ المشھور بشاہ عالم وھو من اخیہ السید شمس الدین حامد وھو من جدہ السید جلال الدین الحسین الحسینی

ساتواں خرقۂ فقیر شاہ ابو الحسن

اپنی والدہ کے چچازاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد سے، وہ اپنے شیخ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ اپنے والد سید حسن سے، وہ اپنے والد سید عبدالغفور سے، وہ اپنے والد سید راجو سے، وہ اپنے والد سید محمد ابن عبداللہ المشھور بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے بھائی سید شمس الدین حامد سے، وہ اپنے دادا سید جلال الدین حسین حسینی بخاری مخدوم جہانیاں سے

البخاری محمد وم جهانیان، وهومن الشیخ ابی المعروف
اسمٰعیل بن ابراهیم الجبرونی القریشی الهاشمی العقیلی
وهومن الشیخ سراج الدین ابی بکر بن محمد بن براهیم
السلامی الصوفی وهومن الشیخ محی الدین احمد
بن محمد بن احمد بن عبدالله بن یوسف الاسدی
وهومن ابیه الشیخ حمایت بن عبدالله بن یوسف
الاسدی وشیخ الحیالی وهومن الشیخ ابی محمد عبدالله
بن علی بن حسن الاسدی وهومن سلطان السالکین
غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح
السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی
وهومن الشیخ احمد الاسود الدینوری وهو من
ممشاد علوی الدینوری وهومن ابی العباس النهاوندی
وهومن ابی عبدالله بن خفیف وهومن سید الطائفه
ابی القاسم الجنید البغدادی وهومن خاله الشیخ
السری السقطی وهومن الشیخ معروف الکرخی وهو
من الامام علی موسی الرضا وهومن ابیه الامام موسیٰ
الکاظم وهومن ابیه الامام جعفر الصادق وهومن
ابیه الامام محمد باقر وهومن ابیه الامام علی
زین العابدین وهومن ابیه اشرف الشهداء و
محبوب خیر الانبیاء الامام ابی عبدالله الحسین
وهومن ابیه اسدالله الغالب امیر المومنین
علی بن ابی طالب کرم الله وجهه، وهومن خاتم
النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین

وہ شیخ ابوالمعروف اسمٰعیل ابن ابراہیم جبرونی
قریشی ہاشمی عقیلی سے، وہ
سراج الدین ابوبکر بن محمد بن ابراہیم سلامی
صوفی سے، وہ شیخ محی الدین احمد ابن محمد
ابن احمد ابن عبداللہ ابن یوسف اسدی
سے، وہ اپنے والد شیخ حمایت بن عبداللہ یوسف
اسدی و شیخ حیالی سے، وہ شیخ ابومحمد عبداللہ ابن
علی ابن حسن اسدی سے، وہ سلطان السالکین
غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین
قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابوصالح سید
عبدالقادر حسنی حسینی جعفری جیلانی سے، آپ
شیخ احمد الاسود دینوری سے، وہ
ممشاد علوی دینوری سے، وہ ابوالعباس نہاوندی
سے، وہ ابوعبداللہ بن خفیف سے، وہ سید الطائفہ
ابوالقاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں سری
سقطی سے، وہ شیخ معروف کرخی سے، وہ امام علی
موسیٰ رضا سے، وہ اپنے والد امام موسیٰ
کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر الصادق سے
وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام
علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد
اشرف شہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابوعبداللہ
حسین سے، آپ اپنے والد اسداللہ الغالب امیر المومنین
علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین

محمد الامین صلے اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین ۔

محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم سے اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطہ روح الامین پہنا ہے ۔

الثامنۃ لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من شیخہ السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من ابیہ السید حسن وھو من ابیہ السید عبدالغفور وھو من ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو من ابیہ السید محمد بن عبداللہ المشھور لبشاہ عالم من عند اللہ و ھو من ابیہ السید برھان الدین ابی محمد عبداللہ المشھور بقطب العالم وھو من الشیخ ابی الفتوح احمد بن عبداللہ الشیرازی وھو من الشیخ شہاب الحق والدین ابی العباس احمد بن محمد البغدادی وھو من ابیہ شیخ شرف الدین ابی عبداللہ محمد وھو من الشیخ صدر الدین محمد القونیوی وھو من الشیخ احمد الشفعوی وھو من السید سیف الدین یحیٰ وھو من ابیہ سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی وھو من ابی سعید المبارک بن علی المخرمی وھو من الشیخ ابی الحسن علی القرشی الھنکاری وھو من الشیخ ابی الفرح یوسف الطرطوسی

آٹھواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچا زاد بھائی سید نور اللہ سے پہنا ہے، وہ اپنے والد سید علی محمد سے وہ اپنے شیخ سید محمد سے، وہ اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے، وہ اپنے والد سید حسن سے، وہ اپنے والد سید عبدالغفور سے، وہ اپنے والد سید احمد سے، وہ اپنے والد سید راجو سے، وہ اپنے والد سید محمد ابن عبداللہ سے، المشہور بہ شاہ عالم سے، وہ اپنے والد سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ جو مشہور ہیں قطب عالم سے، وہ شیخ ابو الفتوح احمد بن عبداللہ شیرازی سے، وہ شیخ شہاب الحق والدین ابو العباس احمد ابن محمد بغدادی سے وہ اپنے والد شیخ شرف الدین ابو عبداللہ محمد سے، وہ شیخ صدر الدین محمد قونیوی سے، وہ شیخ احمد شفعولی سے، وہ سید سیف الدین یحییٰ سے وہ اپنے والد سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبدالقادر حسنی حسینی جعفری جیلانی سے ۔ آپ ابو سعید مبارک ابن علی المخرمی سے وہ شیخ ابو الحسن علی قرشی ھنکاری سے، وہ شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی سے،

وھومن الشیخ عبدالواحد الیمنی وھومن ابیہ عبدالعزیز الیمنی وھومن ابی بکر محمد الشبلی وھومن سید الطائفہ ابی القاسم الجنید البغدادی وھومن خالہ الشیخ السری السقطی وھومن الشیخ معروف الکرخی وھومن الامام علی موسی الرضی وھومن ابیہ الامام موسی الکاظم وھومن ابیہ الامام جعفر الصادق وھو من ابیہ الامام محمد الباقر وھومن ابیہ الامام علی زین العابدین وھومن ابیہ اشرف الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء الامام ابی عبداللہ الحسین وھو من ابیہ اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وھومن خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وھومن امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

وہ شیخ عبدالواحد یمنی سے، وہ اپنے والد عبدالعزیز یمنی سے، وہ ابوبکر محمد شبلی سے، وہ سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں شیخ سری سقطی سے، وہ شیخ معروف کرخی سے، وہ امام علی موسیٰ رضیٰ سے، وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد اشرف شہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابوعبداللہ حسین سے، آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین پہنا ہے۔

التاسعۃ لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن

من السید محمد الملقب بشاہ حضرت وھومن الشیخ عبدالصمد وھومن شاہ صبغۃ اللہ وھومن السید وجیہ الدین حیدر علی الثانی وھومن حاجی حمید المشھور بالشیخ محمد غوث وھومن الشیخ ظھور حاجی حضور وھومن الشیخ ابی الفتح ھدایت اللہ سرمست وھومن الشیخ قاضی وھومن الشیخ عبدالوھاب وھو من الشیخ عبدالرؤف وھومن الشیخ محمود وھو من الشیخ عبدالغفار الصدیقی وھومن الشیخ محمد

نواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے پہنا ہے

جو شاہ حضرت سے ملقب ہیں، وہ شیخ عبدالصمد سے وہ شاہ صبغۃ اللہ سے وہ سید وجیہ الدین حیدر علی ثانی سے وہ حاجی حمید المشہور بہ شیخ محمد غوث سے، وہ شیخ ظہور حاجی حضور سے

وہ شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست سے، وہ شیخ قاضن سے وہ شیخ عبدالوہاب سے، وہ شیخ عبدالرؤف سے، وہ شیخ محمود سے، وہ شیخ عبدالغفار صدیقی سے، وہ شیخ محمد سے، وہ شیخ

وهو من الشيخ علي وهو من الشيخ جعفر احمد وهو
من الشيخ ابراهيم وهو من الشيخ عبد الله وهو من السيد
عبد الرزاق وهو من ابيه سلطان السالكين غوث المسلمين
امام المتصرفين رئيس المحبوبين القطب الرباني المحبوب
السبحاني محي الدين ابي صالح السيد عبد القادر
الحسني الحسيني الجعفري الجيلاني وهو من الشيخ
ابي سعيد مبارك بن علي المخزمي وهو من الشيخ ابي
الحسن القريشي الهنكاري وهو من الشيخ ابي الفرح
يوسف الطرطوسي وهو من الشيخ عبد الواحد اليمني
وهو من ابيه عبد العزيز اليمني وهو من ابي العباس
المكي وهو من ابي بكر محمد الشبلي وهو من سيد
الطائفة ابي القاسم الجنيد البغدادي وهو من خاله
الشيخ السري السقطي وهو من الشيخ المعروف الكرخي
وهو من الامام علي موسى الرضا وهو من ابيه الامام
موسى الكاظم وهو من ابيه الامام جعفر الصادق وهو
من ابيه الامام محمد الباقر وهو من ابيه الامام
علي زين العابدين وهو من ابيه اشرف الشهداء
ومحبوب خير الانبياء الامام ابي عبد الله الحسين وهو
من ابيه اسد الله الغالب امير المؤمنين علي بن ابي
طالب كرم الله وجهه وهو من خاتم النبيين رسول
رب العالمين شفيع المذنبين محمد الامين
صلى الله عليه واله واصحابه وسلم وهو من امر
ذي النور المبين بواسطة روح الامين ۔

علی سے، وہ شیخ جعفر احمد سے، وہ شیخ ابراہیم سے
وہ شیخ عبد اللہ سے، وہ سید عبد الرزاق سے، وہ
اپنے والد سلطان السالکین غوث المسلمین امام
المتصرفین رئیس المحبوبین، قطب ربانی محبوب
سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبد القادر حسنی
حسینی جعفری جیلانی سے آپ شیخ ابو سعید مبارک
ابن علی المخزمی سے، وہ شیخ ابو الحسن قریشی ھنکاری
سے وہ شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی
سے، وہ شیخ عبد الواحد یمنی سے،
وہ اپنے والد عبد العزیز یمنی سے، وہ ابو العباس
مکی سے، وہ ابو بکر محمد شبلی سے، وہ سید
طائفہ ابو القاسم جنید بغدادی سے، وہ
اپنے ماموں شیخ سری سقطی سے، وہ شیخ معروف
کرخی سے، وہ امام علی موسیٰ رضا سے، وہ اپنے
والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر
صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ
اپنے والد امام علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد
اشرف شہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابو عبد اللہ حسین
سے، آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین
علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے، آپ خاتم
النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد الامین صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے
اور آپ نے نور مبین کے حکم سے بواسطہ روح الامین پہنچایا۔

انتعا شره لبسها الفقیر شاه ابوالحسن من
السید محمد المشهور بشاه حضرت وهو من الشیخ
عبدالصمد وهو من الشیخ حمید الدین وهو من
الشیخ محمد وهو من الشیخ زین الدین وهو من
الشیخ شمس الدین محمد بن ابراهیم الملتانی وهو من
الشیخ بهاؤ الدین بن ابراهیم الانصاری وهو من
السید احمد بن حسن الحلبی المغربی وهو من السید
حسن وهو من السید موسیٰ وهو من السید علی وهو
من السید محمد بغدادی وهو من السید حسن بغدادی
وهو من ابیه السید محمد صفوا احمد وهو من ابیه السید
ابی النصر محی الدین وهو من ابیه السید عماد الدین ابی
صالح نصر وهو من ابیه السید تاج الدین عبدالرزاق
وهو من ابیه سلطان السالکین غوث المسلمین امام
المتصرفین رئیس المحبوبین المحبوب السبحانی القطب الربانی
محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی
الجعفری الجیلانی وهو من السید الامام ابی محمد حسن
العسکری وهو من ابیه الامام علی الهادی محمد تقی وهو
من ابیه الامام شرف الدین محمد تقی الجواد وهو من
ابیه الامام علی موسیٰ الرضا وهو من ابیه الامام موسیٰ
الکاظم وهو من ابیه الامام جعفر الصادق وهو من
ابیه الامام محمد الباقر وهو من ابیه الامام علی زین
العابدین وهو من ابیه اشرف الشهداء ومحبوب خیر
الانبیاء الامام ابی عبدالله الحسین وهو من ابیه
اسدالله الغالب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم

دسواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے پہنا،
جو مشہور ہیں شاہ حضرت سے، وہ شیخ عبدالصمد سے، وہ
شیخ حمید الدین سے، وہ شیخ محمد سے، وہ شیخ زین الدین
سے، وہ
شیخ شمس الدین محمد بن ابراہیم ملتانی سے
وہ شیخ بہاؤ الدین ابن ابراہیم انصاری سے، وہ
سید احمد بن حسن حلبی مغربی سے، وہ سید
حسن سے وہ سید موسیٰ سے، وہ سید علی سے
وہ سید محمد بغدادی سے، وہ سید حسن بغدادی سے
وہ اپنے والد سید محمد صفوا احمد سے، وہ اپنے
والد سید ابو نصر محی الدین سے، وہ اپنے والد
سید عماد الدین ابو صالح نصر سے، وہ اپنے والد سید تاج
الدین عبدالرزاق سے، وہ اپنے والد سلطان السالکین
غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین محبوب سبحانی
قطب ربانی محی الدین ابو صالح سید عبدالقادر حسنی حسینی
جعفری جیلانی سے آپ سید امام ابو محمد حسن عسکری سے
وہ اپنے والد امام علی ہادی محمد تقی سے، وہ اپنے والد
امام شرف الدین محمد تقی جواد سے، وہ اپنے والد امام علی موسیٰ
رضا سے، وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد
امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے
والد علی زین العابدین سے، وہ اپنے والد اشرف
شہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابوعبداللہ حسین سے، آپ اپنے
والد اسداللہ غالب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ
وجہہ سے،

الله وجهه وهو من خاتم النبيين رسول رب العالمين شفيع المذنبين محمد الامين صلى الله عليه واله و اصحابه وسلم وهو من امر ذى النور المبين بواسطة روح الامين۔

الحادية عشر لبسها الفقير شاه ابو الحسن

من سيد محمد المشهور بشاه حضرت وهو من الشيخ برهان الدين وهو من الشيخ عبد القدوس وهو من ابى البركة الشيخ عيسى ابن الشيخ قاسم وهو من الشيخ لشكر محمد عارف وهو من حاجى حميد المشهور بالشيخ محمد غوث وهو من الشيخ ظهور حاجى حضور وهو من الشيخ ابى الفتح هدايت الله سرمست وهو من الشيخ قاضن وهو من الشيخ عبد الوهاب وهو من الشيخ عبد الرزاق وهو من الشيخ محمود وهو من الشيخ عبد الغفار صديقى وهو من الشيخ محمد وهو من الشيخ على وهو من الشيخ جعفر احمد وهو من الشيخ عبد الله ابراهيم و هو من الشيخ عبد الله وهو من السيد عبد الرزاق و هو من سلطان السالكين غوث المسلمين امام المتصرفين رئيس المحبوبين القطب الربانى المحبوب السبحانى محى الدين ابى صالح السيد عبد القادر الحسنى الحسينى الجعفرى الجيلانى وهو من الشيخ ابى سعيد المبارك بن على المخرمى وهو من الشيخ ابى الحسن على القريشى الهنكارى وهو من الشيخ ابى الفرح يوسف الطرطوسى وهو من الشيخ رضى الدين ابى الفضل عبد الواحد اليمنى

آپ خاتم النبیین رسولِ رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آپ نے نورِ مبین کے حکم سے بواسطہ روح الامین پہنا ہے۔

گیارھواں خرقہ

شاہ ابو الحسن نے سید محمد المشہور بہ شاہ حضرت سے پہنا ہے، وہ شیخ برہان الدین سے، وہ شیخ عبد القدوس سے، وہ ابو البرکت شیخ عیسٰی ابن شیخ قاسم سے، وہ شیخ لشکر محمد عارف سے، وہ حاجی حمید المشہور بہ شیخ محمد غوث سے، وہ شیخ ظہور حاجی حضور سے، وہ شیخ ابو الفتح ہدایت اللہ سرمست سے، وہ شیخ قاضن سے، وہ شیخ عبد الوہاب سے، وہ شیخ عبد الرزاق سے، وہ شیخ محمود سے، وہ شیخ عبد الغفار صدیقی سے، وہ شیخ محمد سے، وہ شیخ علی سے، وہ شیخ جعفر احمد سے، وہ شیخ عبد اللہ ابراہیم سے، وہ شیخ عبد اللہ سے، وہ سید عبد الرزاق سے، وہ سلطان السالکین غوث المسلمین، امام المتصرفین رئیس المحبوبین، قطب ربانی، محبوب سبحانی محی الدین ابو صالح سید عبد القادر حسنی حسینی جعفری جیلانی سے، آپ شیخ ابو سعید مبارک ابن علی المخرمی سے، وہ شیخ ابو الحسن علی القریشی الہنکاری سے، وہ شیخ ابو الفرح طرطوسی سے، وہ شیخ رضی الدین ابو الفضل عبد الواحد یمنی سے،

وھومن ابیہ احمد عبدالعزیز الیمنی وھومن ابی العباس لمکی وھومن الشیخ کہف الدین ابی بکر محمد الشبلی وھومن سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھومن خالہ الشیخ ضیاء الدین ابی الحسن السری السقطی وھو من الشیخ اسد الملۃ والدین ابی المحفوظ معروف الکرخی وھو من الامام علی موسے الرضا وھومن ابیہ الامام موسی الکاظم وھومن ابیہ الامام جعفر الصادق وھومن ابیہ الامام محمد الباقر وھومن ابیہ الامام زین العابدین وھومن ابیہ اشرف الشھداء ومحبوب خیر الانبیاء الامام ابی عبد اللہ الحسین وھومن ابیہ اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم وھومن امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

وہ اپنے والد احمد عبدالعزیز یمنی سے، وہ ابوالعباس مکی سے، وہ شیخ کہف الدین ابوبکر محمد شبلی سے، وہ سید طائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے، وہ اپنے ماموں شیخ ضیاؤ الدین ابوالحسن سری سقطی سے، وہ شیخ اسد الملّت والدین ابوالمحفوظ معروف کرخی، وہ امام علی موسیٰ رضا سے، وہ اپنے والد موسیٰ کاظم سے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق سے، وہ اپنے والد امام محمد باقر سے، وہ اپنے والد امام زین العابدین سے، وہ اپنے والد اشرف الشہداء محبوب خیر الانبیاء امام ابو عبداللہ حسین، آپ اپنے والد اسد اللہ الغالب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے آپ خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے، آپ نے نورِ مبین کے حکم سے بواسطۂ روح الامین پہنایا ہے۔

مکتوباتِ لطیفی

مترجمہ
حافظ الشبیر الحق
قریشی اوونی
متعلم جماعت پنجم
دارالعلوم لطیفیہ
مکان ویلور
دفتر

زبدۃ العارفین، عمدۃ السالکین حافظ القرآن حاجی الحرمین مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی شخصیت کوئی مستور اور غیر معروف نہیں۔ تبلیغ اسلام میں آپ نے جو تحریری اور تقریری خدمات انجام دی ہیں، وہ جنوبی ہند کی تاریخ میں ایک اہم رول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ "مکتوبات لطیفی" یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ حضرت کے خطوط کا ایک قلمی نسخہ ہے جو آپ نے خلفاء، مریدین اور دیگر معتقدین کو لکھا تھا۔ خطوط میں آپ نے کئی ایک پیچیدہ اور دقیق مسائل کو نہایت بہتر انداز میں سمجھایا ہے۔ اسکے علاوہ ہر خط پند و نصیحت کی انمول موتیوں سے لبریز ہے۔ یہ شرف صرف "اللطیف" کو حاصل ہے کہ یہ نایاب کتاب ہر سال قسط وار شائع ہو رہی ہے۔ لیجئے ایک اور مکتوب کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔

مکتوب بنام میر محی الدین صاحب بنگلوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون!

مؤرخہ ۷ ماہ ربیع الآخر کا نامۂ خلوص موصول ہُوا جو تمام کدورتوں سے منزہ تھا، بہت سی خوشیوں کا باعث بنا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

اس دورِ فساد نشان میں چند ملحد پیدا ہو گئے ہیں جو خود کو صوفی کہلواتے ہیں۔ بعض لوگ انہی الحاد پسندی کو تصوف جان کر اس کے منکر ہو گئے ہیں۔ اگر وہ تصوف کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں تو یقیناً انکار نہیں کرینگے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"جس شخص نے علم تصوف حاصل کیا اور فقہ نہیں سیکھا تو یقیناً وہ زندیق ہو گیا اور جو شخص علم فقہ سیکھا اور تصوف نہیں حاصل کیا تو مجھے اس کے سوء خاتمہ کا خوف ہے"۔

فقیر آپ کی ملاقات سے شاداں و فرحاں ہوئے ایک عرصہ بیت گیا۔ اگر کچھ کامیاب ملاقات کا انتظام ہو جائے تو کوئی تعجب نہ ہو گا زیادہ اللہ معکم۔

دوسری بات یہ کہ شاہ محمد یعقوب صاحب قادری کا مکتوب نظر سے گذرا۔ اور مندرجہ کوائف سے واقفیت ہوئی۔

اس جماعت کے احوال جو تقلید کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے عاشق ہو گئے، مراتب میں بہتر ہیں سلوک نہ طئے کئے ہوئے طالبان اور ان پیاسوں کے احوال سے جو سراب کو دیکھ کر آرام اختیار کر لئے۔

حق پرست ، اور باطل پرست، پرہیزگار اور گناہ گار میں بے حد فرق ہے، بطور مثال:۔

ایک شخص کعبۃ اللہ کا قصد کیا اور وہاں تک پہنچنے کے لئے ذوق و شوق سے متوجہ ہوا۔ اچانک درمیانِ راہ میں اسکو خانۂ کعبہ سے مشابہ گھر نظر آیا اس نے سمجھا کہ کعبہ یہی ہے اور اسی مقام پر معتکف ہو گیا۔

ایک دوسرا شخص اسکی علامات اور خصوصیات کعبۃ اللہ پہنچنے والوں سے دریافت کرتے ہوئے کعبہ کی تصدیق کر لیا، اگرچہ کہ یہ شخص چند قدم اللہ کی طلب و تحصیل میں نہیں رکھا ہے لیکن غیر کعبہ کو کعبہ نہیں سمجھا۔ لہٰذا اپنی تحقیق کے اندر درست ہے۔ اسکی حالت خطا کار طالب مذکور سے بہتر ہے۔

فقیر عبد السبحان کو جانتا ہے کہ وہ ایک صالح شخص اور شریعت کے پکے ہیں، کچھ صوفیاء کی حالت کو مشاہدہ انہیں انکار پہ آمادہ کیا ہو گا۔ ایک ایسا شخص چاہئے جو صراط مستقیم پہ چلا ہو تاکہ ان کے دل کو تشفی اور سکون بخش سکے۔ اور انکی طبیعت پہ زحمت کا باعث نہ ہو، اور اپنے کام میں منہمک رہے۔

اگر من عرف نفسہٗ الخ والی حدیث شریف کو ملاحظہ کرنا ہو تو کیمیائے سعادت کا پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا عنوان کتاب مذکور سے مطالعہ کر لیں، تو ظن غالب ہے کہ تصوف کا اقرار کر لیں گے۔ کیونکہ وہ کتاب شرع اور عقل کی تطبیق سے لکھی گئی ہے۔

عمر بگذشت وحدیث درد من آخر نہ شد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

عمر گذر گئی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہٰذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں۔

بقیہ بالمشافہ

صبر کے فائدے

موسم خزاں کی خشک ہوا جب لہلہاتے ہوئے باغات اور چمنستانوں کو ویرانی میں بدل دیتی ہے تو موسم بہار گلستان کے ہر درخت اور ہر غنچے کے حق میں نئی زندگی کا پیام لے آتی ہے اور موسم خزاں کے نقوش و اثرات کو صفحۂ چمن سے اس طرح مٹا دیتی ہے جیساکہ سورج رات کے تاریک بادلوں کو۔

اسی طرح جب دل دنیا کے مصائب و آلام سے کمھلا جاتا ہے لیکن ہر لمحہ صبر کے دامن کو تھامے رکھتا ہے تو خالق لیل و نہار اس کمھلائے ہوئے دل پر ایک ایسا وقت بھی لاتا ہے جس میں وہ گلاب کی سرخ پنکھڑیوں کی طرح کھل اٹھتا ہے اور ساری تنگیاں و مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور خوشیوں کا دور دورہ ہونے لگتا ہے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے الصبر مفتاح الفرج یعنی صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مومنوں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین' اے ایمان والو!

از
محمد اکرم ساغر
کتہ کوٹہ
(ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی)
متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

مدد طلب کرو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضورؐ صبر و صلوٰۃ سے مدد طلب کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوزخ پر ایک پل قائم کرے گا جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا۔ ہر وہ شخص جو اس پل سے گذرےگا فرشتے دائیں بائیں جانب سے حائل ہو کر اس کے راستہ کو روک لینگے، جس کی وجہ سے تمام لوگ اس پل کو عبور نہ کرینگے اور اس سے گر کر دوزخ کے حوالہ ہو جائینگے۔ لیکن جس انسان نے حکم خداوندی کی اتباع کی اور دنیا میں صبر و صلوٰۃ سے مدد طلب کیا جانبین سے صبر و صلوٰۃ اس کی مدد کرینگے اور دوزخ کی دہکتی ہوی آگ سے بچا کر وہ مقام جو ساری نعمتوں کا منبع ہے یعنی جنت میں ایک خاص مقام بنا دینگے۔ اسی لئے صبر و صلوٰۃ سے مدد طلب کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

منقول ہے کہ محشر کے دن سورج سر پر آجائے گا اور زمین تانبے کی بن جائیگی اور لوگوں کے دماغ ناکوں سے نکلنے لگینگے تو اس موقع پر ایک غیب سے آواز آئے گی کہ وہ کون میرا بندہ ہے جس کا قرضہ میرے ذمہ ہے آج مجھ سے اپنا قرضہ حاصل کرلے۔ تمام لوگ اس آواز کے پیچھے دوڑیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو جائینگے تو ایک ور آواز بلند ہو گی کہ میں آج ان بندوں کو مدعو کیا ہوں جن کو میں نے دنیا میں بے شمار مصائب و آلام سے ہمکنار کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں انہیں لوگوں کی نظروں میں ذلیل بنا دوں بلکہ مجھے ان نیک بندوں کی آزمائش مقصود تھی۔ الغرض اپنے صابرین سے کہیگا کہ آج میری بے شمار نعمتوں اور ہر عیش رساں شئے سے سجائی ہوی جنت میں آرام ناز کرو۔

وہ لوگ جو اس آواز کے پیچھے دوڑے تھے، ان لوگوں کے متعلق حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب اہل اللہ کو اجر ملیگا تو اہل عافیت اس امر کی تمنا کرینگے کہ کاش ہمیں بھی دنیا میں تکالیف سے سامنا ہوتا اور ہمارے جسم کو قینچی سے کاٹ کاٹ کر بوٹی بوٹی بنا دیا جاتا۔

ان لوگوں کو کف دست ملتے ہوئے دیکھ کر اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائے گا آج تم لوگ کس لئے آئے ہو، جبکہ تم لوگوں نے میرے نیک بندوں کی طرح میرے بھیجے ہوئے مصائب و آلام کا خیر مقدم نہیں کیا، یہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملے اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو کوئی دکھ اور رنج پہنچے، تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہی خیر کا باعث ہے، اس دکھ یا رنج کو اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت کا یقین کرتے ہوئے اس پہ صبر کرتا ہے اور صبر بھی اس کے لئے سراسر موجب برکت ہے۔ (احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کھیتی جس کو ہواؤں کے جھونکے ہر وقت حرکت دیتے رہتے ہیں، اسی طرح مومن کو بھی کچھ نہ کچھ بلائیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے کہ صنوبر کا درخت، ایک دفعہ گرتا ہے تو جڑ سے اکھیڑ دیا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ صبر سے معمور تھی۔ کافروں نے آپ پر ظلم وستم کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے اور حالت نماز میں آپ کے جسم اطہر پر اونٹ کی پلیدی ڈالی۔ ان مصائب کے باوجود کبھی آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ہر مصیبت پہ صبر کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی صبر کی تلقین کیا کرتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجیں کہ میرا بچہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہے، لہٰذا آپ تشریف لائیں۔ آپ نے جواب میں سلام کہلا بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی اللہ تعالےٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اس کا ہے اور کسی کو جو کچھ دے، وہ بھی اسی کا ہے۔ الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا

ہے تو اپنی ہی چیز لیتا ہے) اور ہر ایک چیز کے لئے اس کی
جانب سے ایک مقررہ وقت ہے اور اس وقت کے آجانے
پر وہ چیز دنیا سے اُٹھالی جاتی ہے۔ پس چاہیئے کہ تم صبر
کرو اور اس صدمہ پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھو۔
آپ کی لختِ جگر نے پھر پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت
حضورؐ تشریف لے آئیں۔ پس آپ اُٹھ کر چل دئے اور آپ
کے اصحاب میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل
ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ آپ کے ہمراہ
ہو لئے گھر پہنچے، اس بچہ کو اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، تو
اس کا سانس رک رہا تھا۔ بچہ کی اس حالت کو دیکھ کر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس پر
سعد بن عبادہ رضؓ نے عرض کیا حضور یہ کیا؟ آپ نے ارشاد
فرمایا یہ رحمت کے آنسو ہیں اور رحمت کے جذبے کا وہ اثر ہے
جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ اور اللہ
کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا
جذبہ ہو۔ (اور جنکے دل محبت اور محبت کے جذبے سے خالی
ہیں وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے
کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ تعزیت نامہ لکھوایا: ـ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے
معاذ بن جبل کے نام ــــ میں پہلے اسکی حمد بیان
کرتا ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں، اسکے بعد دعا
کرتا ہوں کہ خدا تمہیں اس صدمہ کا اجر عظیم عطا
کرے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہمیں
تمہیں اسکی نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت
یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہمارے اہل و
عیال سب اللہ کے مبارک عطیات ہیں اور اس کی
دی ہوئی نعمتیں ہیں، اس اصول کے تحت تمہارا لڑکا
بھی اللہ کی امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا
خوشی اور عیش کے ساتھ تمہیں اس سے نفع اٹھانے
اور جی بہلانے کا موقعہ دیا اور جب اسکی مشیت ہوئی
تو اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا۔ اور تمہیں
اس کا بڑا اجر دینے والا ہے۔ اللہ کی خاص نوازش
و رحمت اور اسکی طرف سے تمہیں ہدایت کی بشارت ہے
اگر تم نے ثواب رضائے الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔

پس اے معاذؓ! صبر کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ
جزع اور فزع تمہارے اجر کو ہلاک نہ کر دے اور پھر
تمہیں ندامت کا سامنا نہ ہو کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے
بھی محرومی رہی، اور یقین رکھو کہ جزع اور فزع سے
کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اسکے دل کا
رنج و الم دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم
اترنے والا ہے، وہ ہو کر ہی رہتا ہے، بلکہ یقیناً ہو
چکا ہے۔ (معجم کبیر و معجم الاوسط)

والسلام

الغرض صبر ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی
دینوی اور اُخروی زندگی درست کر سکتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اسکی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

خلاصۃ العلوم

یہ رسالۂ عجیبہ متضمن فوائدِ غریبہ تصنیف کیا ہوا عالم ربانی فاضلِ حقانی قطبِ زمانہ، علامۂ یگانہ شیخ الاسلام والمسلمین رئیس العرفاء المحققین آیۂ رحمتِ الٰہی منبعِ فیضِ نامتناہی جامعِ شریعت و طریقت کاشفِ غوامضِ حقیقت و معرفت حاجی الحرمین حامیِ دینِ رسول الثقلین، جنیدِ زماں شبلیِ دوراں مولٰنا و امامنا محی الملۃ والدین مولوی قطبِ حضرت سید شاہ عبداللطیف القادری لولیوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان میں خود شناسی کے نہایت ہی بے نظیر ہے۔

حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کا یہ رسالہ عجیبہ جو خود شناسی، خدا شناسی، دنیا شناسی اور آخرت شناسی پر مشتمل ہے سنہ ۱۳۰۸ھ میں مطبع احمد قلندر معسکر بنگلور میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ یہ رسالہ آج بالکل نایاب ہو چکا ہے۔ لہٰذا اصحاب نظر کے لئے زینت اللطیف کیا جا رہا ہے۔

ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین اجمعین۔

امابعد جان ای بھائی اصول سعادت کے یعنے جڑاں نیک بختی کے چار چیز ہیں، ایک خود شناسی ہے یعنے اپنے کو پہچاننا یہ دو چیز ہے، ایک اپنا ظاہر ہے اس کو تن اور عالم جسم اور عالم شہادت بولتے ہیں، اس اپنے ظاہر میں پھر دو قسم ہے۔ قسم اول جب تک جان تن کے ظاہر میں تصرف کرتا ہے اس کو بیداری کہتے ہیں۔ قسم دوم جب تک جان تن کے باطن میں عمل کرتا ہے اس کو خواب بولتے ہیں۔ دوسرا باطن ہے اس کو جان اور دل اور نفس بولتے ہیں، اور عالم ملکوت بھی کہتے ہیں۔[1]

اول یعنے اپنا ظاہر آنکھ سو دستا ہے، دوسرا یعنے اپنا باطن آنکھ سو نہیں دستا، بلکہ بصیرت سو یعنے دل کی پہچانت سو معلوم ہوتا ہے۔ اسی خود شناسی میں خداشناسی ملتی ہے۔ جب کوئی بموجب فرمان انبیاء کے سلوک کرے۔ جدی و شیخی رکن الملۃ والدین حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربلی قدس سرہ فرماتے ہیں،

جنے جی کو سمجھا سو سمجھا ہے[2]
ولی جی سمجھنے کو آتا کسے

اسی لئے خود شناسی کو کلید خداشناسی کی کہتے ہیں، اور اسی واسطے خود شناسی کو خداشناسی پر مقدم رکھے ہیں۔ والّا واقع میں خداشناسی خود شناسی پر مقدم ہے اور راہ خداشناسی کی اپنے کو اور سب مخلوقات کو سایہ سا ہے سو معلوم ہوئے پر ملتی ہے، اور اس سایہ کا شخص خدا ہی سو پہچانت میں آیا تو خداشناسی حاصل ہوتی ہے۔ مثنوی

مرغ بر بالا پران وسایہ اش ؛ بر زمیں پراں نماید مرغ وش
ابلہے صیّاد آں سایہ شود ؛ می دود چندانکہ بے مایہ شود
بیخبر کہ اصل ایں سایہ کجاست ؛ بیخبر کاں عکس آں مرغ ہواست
تیر اندازد لبوئے سایہ او ؛ ترکشش خالی شود از جستجو
ترکش عمرش تہی شد عمر رفت ؛ در دویدن از پئے ایں سایہ تفت
سایۂ یزداں چو باشد دایہ اش ؛ وارہاند از خیال سایہ اش[3]

دوسری خداشناسی یعنے خدا کو پہچاننا، دل کو دو راہ ہیں۔ ایک بیرونی، دوسری اندرونی۔ بیرونی

---

[1] مرے تو اپنا ظاہر جسم اور باطن جسم دونو بھی فنا ہو جاتے ہیں، اپنا باطن کہ جسکو جان اور دل اور ملکوت بولتے ہیں رہ جاتا ہے ۱۲

[2] جی کی پہچانت میں بہت اختلاف ہے بعض غلطی سے عرض بولتے ہیں حالانکہ جوہر ہے۔ بعض غلطی سے قدیم بولتے ہیں حالانکہ حادث ہے۔ بعضے دانشمند بڑی بہیچ سے ہچوں و بیچگونہ کر کر پہچانتے ہیں۔ یعنے نہ کالا ہے نہ پیلا، بدن کے اندر ہے نہ باہر، نہ ایسا ہے نہ ویسا۔ یہ جاننے سے جان کی پوری پہچانت حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ یعنے اللہ تعالیٰ آدم کو اپنی صورت پر بنایا اور توریت کے

(دوسرے صفحہ پر)

راہ میں زراعت، وتجارت، وجولاہاگری، معماری
نجاری، لوہاری، کمہاری، گھڑیال سازی، قلعہ کی
تیاری، ملک گیری سلطنت وغیرہ ہیں۔ مومن،
کافر، مخلص، منافق، موحد، مشرک، مطیع، فاسق،
سب شریک ہیں۔ اندرونی راہ مخصوص انبیاء
کی ہے پیغمبروں کے پیرواں کو ملتی ہے۔ جیسا بھاگا
بھاگتا گھوڑا انسان پر قدم کے سیڑتا ہے ویسا ہی
خدا کا جویا چال پر پیغمبروں کے چلا تو خدا کو پاتا ہے،
دنیا محل اقامت نہیں، بلکہ جائے مسافرت ہے۔ مہد
سے لحد تک انسان کو منازل ہیں۔ ہر روز منزل میں
ایک منزل کے ہے اور مرے پر سروکار آدمی کا
طرف حق کے ہوتا ہے۔ اِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَإِلَيْهِ
الْمَصِيْرُ

جب حق تعالیٰ مرجع اور قرارگاہ آدمی کا ہے
عقلمند مسافرت میں زیادہ ضرورت سے بار نہیں
اٹھاتا اور قرارگاہ کے بندوبست میں اور درستی اس
سے پیدا کرنے میں رہتا ہے۔ اور بندوبست قرارگاہ کا
انسان کو حق کی عبادت اور ذکر سے[۲] ہیں ہاتھ آتا ہے،
کیونکہ دوستی حق کی دل پر غالب نہیں ہوتی ہے۔
مگر معرفت اور ذکر بہت کرنے سے اور ذکر دل پر غالب
نہیں ہوتا ہے، مگر ہمیشہ عبادت کرنے سے، اور
فراغت عبادت کو نہیں ملتی ہے۔ مگر شہوتوں کے دل
سے ٹوٹنے میں، اور علاقے شہوتوں کے دل سے نہیں
ٹوٹتے ہیں، مگر معاصی سے باز رہنے میں بس باز
رہنا گناہوں سے سبب دل کے فراغت کا ہے، اور
عبادت حق کی کرنا سبب ہے دل پہ ذکر غالب ہونے کا
اور باز رہنا معصیت سے اور اذکار اعبادت کا سبب
محبت حق کا ہے۔ اور یہ محبت انست حق کے ساتھ پیدا
کرنے میں آدمی کی سعادت ہے اور بندوبست قرارگاہ کا
ہاتھ آتا ہے۔

جب انسان دل کو زنگ سے ماسوے اللہ کے پاک کیا
اور آئینہ سا بنایا تو حق دستا ہے ؎

دل پئے خطرہ مظہر ذات ہست[۳]
آب بے موج عین مرات ہست

غرض تفصیل خداشناسی کی بڑی ہے۔

تیسری، دنیا شناسی ہے، دنیا کو پہچاننا یعنے ابتدائے
پیدائش سے موت تک کی حالت کو دنیا بولتے ہیں۔ آدمی کو
دنیا میں محض حیات جاودانی پیدا کرلینے پیدا کئے ہیں۔
جیسا تخم جھاڑ کے آخری اور باقی جھاڑ سے بڑھ کر ہے
ویسا ہی آدمی سب مخلوقات کے آخری اور باقی مخلوقات

بقیہ حاشیہ: کے پہلے دفتر کے اول باب میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو اپنی صورت شکل پر بنایا ہے۔ یہ بات کا معنیٰ دلپر کھلے تو جان کا پورا معنی کھلتا ہے ۱۲

[۱] مراد سایہ سے دنیا ہے۔ جیسا زر و مال، زیور اور زن و فرزند اور عزت و حرمت اور نام و نشان اور دولت اور ریاست وغیرہا ۱۲۔

[۲] اور ذکر میں حق سے محبت ہوجاتی ہے ۱۲

[۳] یعنے جو دل میں غیر حق کے خطرے ہیں، اس میں ذات دستی ہے جیسا بے موج پانی میں آئینہ سامنہ دستا ہے ۱۲

سے بڑھکر ہے۔ تخم جب تک جھاڑ یا زمین یا سنگ پر دستا ہے تب تک قابل سڑنے گلنے کے ہے۔ جب اپنے اصل میں یعنے زمین میں چھپ گیا تو دوسرے حیات پیدا کرنا پیڑ اور ڈالی اور پتے اور پھول اور پھل ہو جاتا اور سڑنے گلنے سے بچ جاتا ہے۔ ویسا ہی انسان جب تک میں میں بولتا اور انانیت اور میں پن میں گرفتار رہتا ہے تب تک قابل ہلاک ابدی کے ہے۔ جب اپنی اصل یعنے حق میں اپنے کو فنا کیا اور میں پن چھوڑا اور اپنے کو عکس حق کا بوجھ لیا تو حیاتِ جاودانی حاصل کرلیتا ہے۔ صاحب منطق الطیرؒ فرماتے ہیں ؎

چوں بدانستی کہ ظل کیستی
فارغی گر مُردی وگر زیستی

جیسا جسم سڑے گلے یا حیاتِ دیگر سے زندہ ہووے دونوں حالت میں کھال اور بھوسا اس کا سڑنا گلنا ضرور ہے۔ ویسا ہی انسان ہلاک ابدی میں گرفتار ہووے یا حیاتِ جاودانی حاصل کرلیوے، دونوں حالت میں مرنا اور تن کی کھال چھوڑنا لابد ہے۔ پھر تخم کو بغیر بھوسے اور کھال کے بیرے تو درخت ہونا، اور حیاتِ دیگر پیدا کرنا ممکن نہیں۔ ویسا ہی انسان بھی تن کا بھوسا اور کھال دور ہووے اور مرے پر حیاتِ جاودانی حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے الدنیا مزرعة الاٰخرة فرمایا یعنے دنیا جائے زراعت آخرت کی ہے۔ اسی واسطے صاحب منطق الطیر ہندی میں بولتے ہیں ؎

بوست ہے تک ڈھونڈلے تو دوست کو
موڑ چاول کو ہے پیدا پوست سو

آنکھ والا خواب میں بھی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ مادر زاد اندھا خواب میں بھی اندھا رہتا ہے، جو آدمی بیداری میں لکھنا پڑھنا جان لیا خواب میں بھی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ اُمیؒ خواب میں بھی اُمی رہتا ہے۔

چوتھی آخرت شناسی ہے۔ آدمی موت تک بڑوتی میں رہتا ہے۔ یعنی نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ سے جنین، اور جنین سے طفلی، اور طفلی سے رہوق اور رہوق سے جوانی، اور جوانی سے کہولت اور کہولت سے پیری میں آتا ہے۔ جب بڑوتی چھوڑ دیا اور ظاہر جسم اور باطن جسم تلف کیا تو اس حالت کو ابدالاباد تک عالم آخرت بولتے ہیں۔ پھر اس عالم میں جب تک آدمی بے تن رہتا اور عالم ملکوت میں بقار کھتا ہے اسکو عالم قبر اور عالم مثال اور عالم برزخ بولتے ہیں۔ اور جب تن دار ہو گیا اور دنیا میں جیسا تن تھا ویسا تن پا گیا، تو اس کو محشر اور قیامت وغیرہ کہتے ہیں۔ جیسا خواب میں حس وحرکت جسم کی تلف ہو جاتی ہے، پھر بیداری میں آجاتی ہے اور درخت سے پھول اور پھل جھڑ جاتا، پھر سال آئندہ پیدا ہوتا ہے ویسا ہی آدمی کو آخرت میں حق تعالیٰ حس وحرکت دیوے اور تندار کرے تو عجب نہیں، اسبات پر سب پیغمبراں متفق ہیں۔ آدمی اول نہ تھا اس کو پیدا کیا۔ اب خدا کے پاس پھر اس کو جسم دینا کیا بڑا کام ہے۔ غرض آخرت میں حاکم سب حاکموں کا، خالق اور

مالک سب نیکیوں کا' اچھے لوگوں کو اچھا رکھیگا۔ اس اچھا رکھنے کے مقام کو بہشت بولتے ہیں اور خراب لوگوں کو سزا دیگا' اس سزا کی جائے کو دوزخ کہتے ہیں۔ ارکان سعادت کے یعنے ستون نیک بختی کے بھی چار ہیں۔ دو ظاہر کے رکن ہیں۔ ایک رکن ظاہر کا خدا کی عبادت ہے۔ جیسا نماز کرنا اور روزہ رکھنا حج ادا کرنا' اور زکواۃ دینا' اس میں فقط خدا کا فرمان بجا لانا اور دنیا میں رہے تک خدا سے انسیت پیدا کر لینا ہے۔ تن کا اور تن کے راحت کا اس میں دخل کچھ نہیں۔

دوسرا رکن ظاہر کا' بایکدیگر معاملت ہے' اور تن پروری کو اس میں دخل ہے جیسا نکاح اور طلاق' اور عدت' اور تجارت' اور زراعت' اور محصول اور عشر اور خراج۔ اور حکم دفائن اور معادن اور گرو اور اجارہ اور کفن اور دفن اور ترکہ وغیرہا' اس دو رکن کے جامع کو علم فقہ بولتے ہیں۔ اس علم فقہ میں بھی آٹھ چیز یعنے فرض' واجب اور سنت اور مندوب اور حلال اور حرام اور مکروہ اور مشتبہ درست جاننا ہے' اور عبادات اور معاملات میں موافق علم کے عمل کرنا ہے اور یہ دو نوبات عالم قدس کی طرف اڑتے اور اخلاق باطن سے متجلی ہوتے بمنزلہ پر ہیں۔ دو باطن کے رکن ہیں۔ ایک رکن باطن کا پاک کرنا دل کا ہے بد خصلتوں سے' جیسا بخل اور حسد اور تکبر' عجب اور بے موقع غضب ان کو مہلکات اور عقبات یعنے گھاٹی راہ دین کے کہتے ہیں۔ دوسرا رکن باطن کا آراستہ کرنا دل کا ہے نیک خصلتوں سے جیسا سخاوت اور قناعت اور تواضع اور صبر اور شکر اور رجا اور توکل سے ان کو منجیات بولتے ہیں' ان دونوں کے جامع کو حکیمان اور متکلمان علم تہذیب اخلاق بولتے ہیں۔ نہایت تہذیب اخلاق کا عقل ہے اور صوفیہ علم سلوک کہتے ہیں۔ نہایت علم سلوک کا حق ہے اور موافق تخلقوا باخلاق اللہ کے حق میں فنا ہونا اور حق کے خو سے خو کرنا ہے جیسا غذا کے بے حس و حرکت اور جماد ہے۔ تصرف سے جان کے روح[1] ہو جاتی اور حیات پیدا کرتی ہے' ویسا ہی جان تصرف سے جان کے حق میں فانی اور حیات جاودانی سے زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین آمنوا وعملوا الصالحات فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ یعنے جو مردم ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہم ان کو زندہ کریں گے حیات طیبہ سے۔ مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

نان چوں در سفرہ باشد آں جماد
در تن مردم شود آں روح[2] شاد'
در دل سفرہ نگردد مستحیل
مستحیلش جاں کند از سلسبیل
قوت جان ہست ایں اے راست[3] خواں
تا چہ باشد قوت آں جان جاں
گوشت پارہ آدمی از زور جاں
می شگافد کوہ را با بحر و کاں

---

۱ یعنے روح طبعی اور روح حیوانی اور روح نفسانی ۱۲
۲ روح طبعی اور روح حیوانی اور روح نفسانی ۱۲
۳ جوئے فیض حق ۱۲

زورِ جان کوہ کن شق الحجر زورِ جان جان در انشق القمر

بدن میں عمل جان کا جس قدر زیادہ ہے اس قدر تندرستی ملتی ہے، ویسا ہی عمل جانِ جان کا جسقدر ہے اس قدر حیات جاودانی اور عافیت حقیقی ہاتھ لگتی ہے ؎

اے خنک آں مرد کز خود رستہ شد۔ در وجود زندۂ پیوستہ شد

موم ہیزم چوں فدائے نار شد۔ ذات ظلماتی او انوار شد

جس تن میں جان نہیں، وہ تن مردار ہے، ویسا ہی جس جان میں جانِ جان نہیں وہ جان نجس ہے۔ اللہ صاحب فرماتا ہے انما المشرکون نجس، یعنے مشرک لوگ پلید ہیں کیونکہ جان ان کا اخلاقِ دین سے مبرا اور اخلاقِ بد سے بھرا ہوا ہے۔ مثنوی ؎ چوں نجس خواندہ ست کافر را خدا

نیست آں بر تن نجاست ظاہرا

ظاہر کافر ملوث نیست زیں

واں نجاست ہست در اخلاقِ دیں

ایں نجاست بویش آید بیست گام

واں نجاست بویش از ناز ری لبشام

مردِ زندہ اس تنِ مردہ کے ساتھ جب ایسا ہم صحبت ہو گیا کہ خیال جان کا پنجرے سے تن کے باہر نہیں جاتا تو بدخویوں سے خوگر ہوتا اور ہلاک ابدی میں مرے پر گرفتار رہتا ہے۔ مثنوی ؎

وای آں زندہ کہ با مردہ نشست

مُردہ گشت و زندگی از وے بجست

مرغ کو اندر قفس زندانی است

می بجوید رستن از نادانی است

وصلی اللہ علے خیر خلقہ سید نا محمد وعلے الہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ گھڑی محشر کی ہے

از
عبد الرزاق جولپالیہ
جماعت ششم
متعلم
دار العلوم لطیفیہ عربی کالج حضرت مکان
ویلور

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اگر ہم کائنات کی اشیاء کا بغور مشاہدہ کریں تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ دنیا کی ہر شئی بلکہ اس کا ذرہ ذرہ آمادۂ فنا ہے۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ یہ آفتاب و ماہتاب اور یہ درخشاں ستارے ایکدن تمام فنا ہو جائیں گے۔ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ایک ایسا ہنگامۂ فلک شگاف بپا ہوگا جسکی ہولناک و دہشت ناک صداؤں سے تمام ذی روح متوحش و متخوف نظر آئیں گے۔ ایک جانب زمین پھٹ جائیگی تو دوسری طرف آسمان اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ گویا روئی کے تنکے ہیں جو ہوا میں اُڑ رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

یوم تکون السماء کالمھل وتکون الجبال کالعھن۔ آسمان موم کی طرح پگھل جائے گا۔ پہاڑ دھنی ہوی روئی کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اور لہلہاتے ہوئے سرسبز و شاداب باغات، یہ دلفریب نظارے جھلس کر خاک میں ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ جدھر دیکھو ویرانی ہی ویرانی ہوگی اور وہ دن نہایت ہی المناک ہوگا جو اپنی تمام شعلہ باریوں اور آتش فشانیوں کے ساتھ بنی نوع انسان پر مسلط ہوگا۔ چنانچہ اس عالم ہوش ربا کا نقشہ اللہ رب العزۃ قرآن حکیم میں یوں پیش کر رہے ہیں:۔ ان زلزلۃ الساعۃ شیئ عظیم۔ یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکری وما ھم بسکری ولکن عذاب اللہ شدید۔

اس ساعت معینہ کا زلزلہ اتنا خوفناک ہوگا کہ مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائینگی۔ حاملہ عورتوں کے حمل ضائع ہو جائیں گے اور تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے حالانکہ وہ حالت نشہ میں نہیں بلکہ عذاب خدا ہی کچھ ایسا سخت ہے۔

اس کے بعد احکم الحاکمین کا حکم ثانی ہوگا۔ دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے اس گلشن ہستی میں ازل سے کھلے ہوئے گلہائے رنگارنگ، اسوقت جو کھل رہے ہیں اور غنچہائے ناشگفتہ جو تا ابد کھلتے رہیں گے تمام کے تمام

دوبارہ اُٹھائے جائیں گے جو مالک یوم الدین کے دربارِ عالیہ میں اپنی اپنی قسمت کو لئے حاضر ہوں گے، جہاں اپنی کار گذاریوں کا بے کم وکاست محاسبہ مواخذہ ہوگا۔

میدان حشر میں انسان کی حالت کیا ہوگی اور اس پر وارد ہونیوالے عالم جاں سوز کی منظر کشی کلام اللہ میں یوں کی گئی ہے :۔

یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرء منھم یومئذ شان یغنیہ۔

وہ دن ایسا دلگداز ہے کہ نہ باپ کو بیٹے کی خبر، نہ ماں کو بیٹی کی، غرض یہ کہ ہر ایک دوسرے سے جُدا ہوگا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہ دیگا، نہ تو دنیا کی دولت ساتھ دیگی اور نہ یہ جاہ وحشم، بلکہ ہر ایک پر نفسی نفسی کا عالم طاری ہوگا۔ جہاں ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جن میں سے کوئی فرطِ انبساط میں مدہوش تو کسی کے چہرے پر بشاشت کی کرنیں جھلکتی ہونگی کوئی کیف وسُرور کے عالم میں مست وسرشار ہوگا۔ لامحالہ یہ وہی گروہ مومنین ہوگا جن کی عبادت وطاعت، حیات ومماۃ الغرض ان کی ہر ادا خوشنودئ رب کی خاطر تھی، جو ہمہ وقت جویائے حق تھے، جن کی نگاہوں میں دُنیا کی کوئی وقعت ہی نہ تھی بلکہ دنیا کو ایک مسافرخانہ اور خود کو ایک مسافر تصور کرتے ہوئے منزلِ مقصود کے متلاشی تھے، اور دنیا سے مستغنی۔ اگر انہیں کوئی فکر دامنگیر تھی تو صرف رضائے الٰہی اور تلاش منزلِ دوام، اسی لئے ایزد ذوالجلال آخرت میں انہیں اپنی جان ومال کے ایثار وقربانی کے عوض مقام دوام کے ساتھ کبھی ختم نہ ہونیوالی نعمتوں سے بھی نوازیگا جیسا کہ ان بندگانِ خدا کو قرآن مجید میں بشارت دے رہا ہے :۔

جنت تجری من تحتھا الانھار۔ عطاءً غیر مجذوذ

انکے لئے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری وساری ہیں۔ کبھی ختم نہ ہونے والی عطائیں۔

میدان حشر کا یہ ایک رُخ ہوگا اور دوسرا رُخ یہ کہ کسی پر لرزہ طاری ہوگا تو کوئی مختل الحواس نظر آئے گا جس کے اعضاء وجوارح خود اس کے خلاف گواہی دینگے۔ ان کے چہروں پر سیاہ بادل منڈلاتے رہیں گے، یقیناً یہ وہی گروہِ کفار ہوگا جس کی سرکشی جبکا عُجب وکبر متجاوز الحد ہو گیا تھا، خدائے واحد کا انکار، رسولوں کی تکذیب، کُتب سماوی کی تحریف جن کا پیشہ تھا، دنیا کی نعمتوں پر فخر کرتے اور یہ سمجھتے تھے کہ دنیا ہمیشہ ان کا ساتھ دیگی، عاقبت سے تو بالکل بے خوف، کوئی تو غریبوں کا استحصال کرکے دھن دولت کے انبار لگاتا تھا تو کوئی خون مظلوماں سے اپنی زندگی کے درخت کو سیراب کرتا تھا، لہٰذا ان کی اس بے راہ روی، غلط کاریوں اور کفر وعصیان کی وجہ سے من جانب اللہ خلود فی النار کا حکم نافذ ہوگا جنہیں کبھی اس عذاب مہلک سے رُستگاری ممکن نہیں جیسا کہ جہنمیوں کے متعلق قرآن گویا ہے :۔

والذین کفروا وکذبوا بآیتنا اولٰئک اصحاب النار خالدین فیھا وبئس المصیر۔

اور وہ لوگ جو کافر ہوگئے اور آیتوں کی تکذیب کی وہ صاحب نار ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ ٹھکانا بھی بہت برا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

وماهم بخارجين من النار یعنی وہ اس آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔ بہرکیف ہمارے سامنے ایک ایسا دہشت ناک وقت آئیگا جسکی تحذیر و تہدید قرآن کے صفحہ صفحہ پر موجود ہے' اب ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ اس کی وحشت و ہیبت کو فرحت و راحت میں کیسے تبدیل کیا جاسکتا ہے پھر اس دن (یوم حشر) کے متعلق قرآن حکیم ہماری کیسی رہنمائی کرتا ہے اور کیا تعلیم دے رہا ہے اور ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے۔

عقیدۂ آخرت

آخرت پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ انبیاء کرام و کتب سماوی اور ملائکہ پر چونکہ یہ ایمان کا ایک جزو لاینفک ہے جو ارکان ایمان میں ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:۔

ومن يكفر بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر فقد ضل ضلالا بعيدا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ و مرسلین' کتب سماوی اور یوم آخرت پر جس کا ایمان نہیں تحقیق وہ گمراہ ہے۔

ایک اور مقام پر منکرین آخرت کے لئے عذاب مہلک کی خبر دی ہے:۔

فويل للذين كفروا من يومهم الذي يوعدون

یعنی سخت عذاب ہے ان لوگوں کے لئے جو یوم میعاد کے منکر ہیں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اُخروی فلاح و بہبودی صرف عقیدۂ آخرت پر موقوف ہے' جو قلب انسانی' فکر آخرت و خشیت الٰہی سے معمور ہے۔ وہ ہر طرح بداعمالیوں' اور غلط کاریوں سے بچنے کی انتھک کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ کسی نہ کسی دن اسکی آپ بیتی مالک حقیقی سے بالمشافہ سنانی اور سزا و جزا پانی ہے' اور جس کا دل عقیدۂ آخرت سے معریٰ ہے' وہ دنیا و آخرت دونوں میں ناکارہ' و ناکام رہیگا۔ دنیا میں اس لئے کہ اس نے ایمان کے ایک اہم رکن سے روگردانی کی اور آخرت میں اس وجہ سے کہ اس نے دنیا میں رہکر کبھی اس دن کی فکر نہیں کی جس میں اسکی کارگذاریوں کی بازپرس ہوگی کسی نے اظہار حقیقت کی ہے "امم ماضیہ کی ہلاکت و بربادی کے بنیادی اصول صرف دو ہیں۔ اولاً یہ کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی' ان کی تعلیمات و ارشادات سے روگردانی کی اور ان پر نازل شدہ کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اور ثانیاً تو یہ کہ وہ آخرت کے منکر تھے' کہ اس عالم مادی کے بعد کوئی اور عالم نہیں' جہاں حشر و نشر' محاسبہ و مؤاخذہ ہوگا۔ یہ تمام واہیات باتیں ہیں جنکی کوئی اصل نہیں" جیسا کہ آیت کریمہ بھی ان کے اس عقیدۂ فاسدہ کی پردہ دری کرتی ہے۔

وقالوا ان هي الا حياتنا الدنيا وما نحن بمبعوثين منکرین بعث نے کہا کہ اس دنیا کے علاوہ اور کوئی عالم نہیں اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں۔

غرضیکہ یہی ان کی سرکشی و سرتابی اور عقائد فاسدہ

تھے، جو انہیں حرف غلط کی طرح نیست و نابود کر دیئے اور، عذاب الٰہی کے نزول کا باعث بنے۔

اگر کسی قلب انسانی میں عقیدۂ آخرت راسخ ہو جائے اور یوم آخرت پر اس کا ایمان و یقین ہو تو اس کی زندگی کا رخ ہی بدل جائے گا۔ نتیجۃً نہ تو دنیا کے راحت کدے اسکو اپنی جانب مائل کر سکتے ہیں اور نہ اسکی بڑی سی بڑی قوت، کیونکہ ان کے دل نور ایمان و بصیرتِ ایقان سے منور ہو جاتے ہیں جس سے ہر شئی کی حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے اور وہ بحسن و خوبی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کونسی چیز ان کے لئے وبالِ جان بنیگی اور کونسی چیز اس عالم کس مپرسی میں اس کا ساتھ دیگی۔ نیز وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اُخروی نعمتوں کے مقابل دنیوی مال و دولت کوئی وقعت ہی نہیں رکھتی اور اگر اس بندۂ خدا کو کچھ فکر ہوگی تو صرف اُخروی زندگی کے سنوار کی، اسمیں اپنی جان بھی قربان کیوں نہ کرنی پڑے۔

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی جو حقیقت ہے زبان نبوت سے سنئے:۔

عن مستورد ابن شداد قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول واللہ ما الدنیا فی الاخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم یرجع، مستوردؓ ابن شداد سے مروی ہے کہ فرمایا انہوں نے سُنا میں رسول اللہ صلعم کو فرماتے ہوئے کہ قسم بخدا دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے کہ جیسا تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے پھر دیکھیے کہ پانی کتنی مقدار میں لگ کر آیا ہے۔" یعنی آخرت کی حیثیت ایک سمندر کی سی ہے اور دنیا کی انگلی میں لگے ہوئے پانی کی، تو اس سے اندازہ لگائیے کہ دنیا کی وقعت حضورؐ کی نظروں میں کیا تھی، پھر اس کے باوجود جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیگا گویا اس نے نعمتِ دوام کو ٹھکرا کر نعمتِ فانی کو اختیار کی۔

حقیقت میں انسان کو آخرت کی فکر اور احکم الحاکمین کی پکڑ سے خوف کھانا چاہیئے، اصل انسان کا مقصدِ تخلیق ہی یہی ہے کہ خالق ارض و سما کی اطاعت شعاری اور اس کے مواخذہ سے متخوف رہے۔ چونکہ خوف الٰہی کی اہمیت و افضلیت آیاتِ قرآنی و احادیث نبویؐ سے ثابت ہے کہ اگر عالم خوف میں کسی کی آنکھ سے آنسو نکل کر بہہ جائے تو نارِ سقر اس پر حرام ہو جاتی ہے، اس جگہ کو جلانے کی جسارت نہیں رکھ پاتی حتیٰ کہ اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرف رجل علیٰ نفسہ فلما حضرۃ الموت اوصیٰ بنیہ اذا مات فحرقوہ ثم اذروا نصفہ فی البر و نصفہ فی البحر فواللہ لئن قدر اللہ علیہ لیعذبنہ عذابا لا یعذبہ احدا من العالمین فلما مات فعلوا ما امرھم۔

—— فامر اللہ البحر فجمع ما فیہ وامر البر فجمع ما فیہ، ثم قال لہ لم فعلت ھذا! قال من خشیتك یا رب وانت اعلم فغفرلہ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) - حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا: ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی اور (بڑا ظلم کیا یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اسکی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرکے اس پر اللہ کا خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا پھر تم اس میری راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا۔ اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا۔ (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اس نے کہا کہ میں ایسا گنہگار ہوں) اللہ کی قسم اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دیگا جو دنیا میں کسی کو بھی نہ دیگا۔ اس کے بعد جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی و تری سے اسکے اجزا جمع ہوئے پھر اس سے پوچھا گیا: تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے عرض کیا اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا (رسول صلعم نے اس واقعہ کے بعد فرمایا کہ) اللہ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ سُنا دیا۔

قارئین کرام! غور طلب مقام ہے کہ ایسا جاہل انسان جسکو خدا کی شان و صفات اور اسکی خالقیت کا یقین ہی نہ تھا، نیز اپنی ساری زندگی گناہوں میں گذار دیا تھا اور بوقت نزع کا فرانہ وصیت (جس سے خدا کی صفت خالقیت کا صاف انکار ہوتا ہے) ان تمام وجوہات کے باوجود اسکی بخشش ہوگئی، حالانکہ وہ اپنی زندگی میں کبھی بھولے سے بھی کوئی نیکی نہیں کیا تھا، یہ کس وجہ سے ہوا؟ صرف خوفِ خدا کی وجہ سے تھا۔ جب مؤاخذہ کا خوف اس پر غالب آیا تو اس نے وصیت ایسی کی، وصیت کی اصل وجہ خوف الٰہی اور مؤاخذہ آخرت، جس سے مغفرت ہوگئی تو غور کیجئے کہ ہیبت الٰہی کی کیا اہمیت ہے اور اللہ اس کو کس حد تک پسند فرماتا ہے۔

جب ہم صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیاتِ طیبہ پر نظر کریں تو اس میدان عمل میں وہ کئی قدم پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان کے قلوبِ مطہرہ دہشت و ہیبت، عاقبت و انجام سے ہمہ وقت لرزاں و ترساں تھے۔ تھوڑی سی لغزش یا کوتاہی پر آنسو کے دریا بہا دیتے، توبہ و استغفار کرتے تاہم انہیں تشفی نہیں ہوتی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی آسمان پر سیاہ بادل منڈلاتے اور ہوائیں تیز ہوتیں آپ کا چہرۂ انور خوف سے سُرخ ہو جاتا۔ کبھی گھر میں داخل ہوتے اور دُعا میں مشغول ہو جاتے۔ جب اسکا سبب دریافت کیا گیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، مجھے خوف ہے کہ یہ ابر کہیں وہی نہ ہو جو قوم عاد و ثمود پر بھیجا گیا تھا، جس سے ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر بڑھاپا آگیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بوڑھا کر دیا۔ سورۂ ہودؑ، واقعہ، مرسلٰت، عم یتساءلون اور سورۂ تکویر نے یعنی حضورؐ کا یہ ضعف دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ سوال کرتے ہیں تو اس طرح جواب دیتے

ہیں کہ میرا بڑھاپا ان مذکورہ سورتوں کی تلاوت کی وجہ سے ہے۔ یہ وہی سورتیں ہیں جن میں حشر ونشر جزا وسزا کے مناظر بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ ہے بھی یہی بات کہ خوف وفکر ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو لاغر بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح فکر آخرت سے متعلق کہا گیا ہے۔

یوم یجعل الولدان شیبًا یعنی وہ دن ایسا ہے کہ جس کا فکر جوان کو بوڑھا بنا دیتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیت جو ثانی اثنین اور خیر البشر ہونے کے ساتھ جنہیں اپنے عین حیات ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی، اس کے باوجود میدان حشر کی گھڑیوں کو تصور میں لاکر بیقرار ہوجاتے ہیں اور ایک چڑیا کو ٹہنی پر چہچہاتے دیکھ کر فرماتے ہیں "کاش میں یہ چڑیا ہوتا، محاسبۂ آخرت سے یکسر نجات ہوجاتی"۔

اور کوئی خلیفۂ وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، خدا کے رسول ؐ کی زبانی بشارتِ مغفرت سننے کے باوجود خدا کے قہر وجلال کے سامنے سراپا عجز وسرافگندگی بن کر کہہ رہے ہیں" اگر میدان حشر میں یہ آواز آئے کہ پوری نوع انسانی بخشدی گئی مگر صرف ایک آدمی جہنم میں پھینکنے کے لئے بچ گیا تو میں ڈروں گا، وہ بدنصیب میں ہی تو نہیں"۔

واللہ یہ وہی مقدس روحیں تھیں، جنہیں نہ تو دنیا کی دولت وخلافت خدا کے قہر وجلال سے مستغنی کرسکی، نہ تو دنیا کی بڑی سی بڑی طاقت مگر اس کے برعکس جب ہم اپنے دلوں میں جھانکتے ہیں تو ہم خود کو ان شخصیتوں سے کوسوں دُور محسوس کرتے ہیں۔

آج کتنے ہی مسلمان ایسے ہیں جو اس حقیقت سے بے بہرہ ہیں اور بعضے اس کا علم رکھتے بھی ہیں تو لسانی اقرار ہی کی حد تک نہ تصدیقِ قلبی ہے، اور نہ تو اس کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اپنی کارگذاریوں اور سزا وجزا کا تو کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ کوئی صاحب دولت اپنی دولت میں چُور، شاہانہ عیش وعشرت میں مشغول ہے۔ نہ حرام کی تمیز ہے، نہ حلال کی۔ اور یہ تک سمجھ نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دولت کیوں دیا ہے اور اس کا کیا حق ہے۔ ایک نادار ومفلس کی تو بات ہی کیا کہنا کہ فکر معاش سے اس کو نجات ہی نہیں ملتی کہ آخرت کی فکر کرتا اور آئندہ دوامی زندگی کے متعلق کچھ سوچتا۔ بہرحال کوئی پھولوں کے فرش پہ مست ہے تو کوئی معاشی فکروں کی زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے، نہ خدا کی یاد، نہ اپنی حیات جاوداں کی فکر بس زندگی تو اس شعر کے مصداق ہوجاتی ہے۔

شعر
کھاتے پیتے رہے دنیا میں نہ کی یاد خدا
نہ تو حیوان رہے ہم نہ تو انسان رہے

ایزد ذوالجلال سے دُعا ہے کہ ہمیں نیک ہدایت عطا فرمائے وفقنا اللہ وسائر المسلمین بتوفیق الطاعات والحسنات۔

آمین ثم آمین

یک نظر بر حالِ من

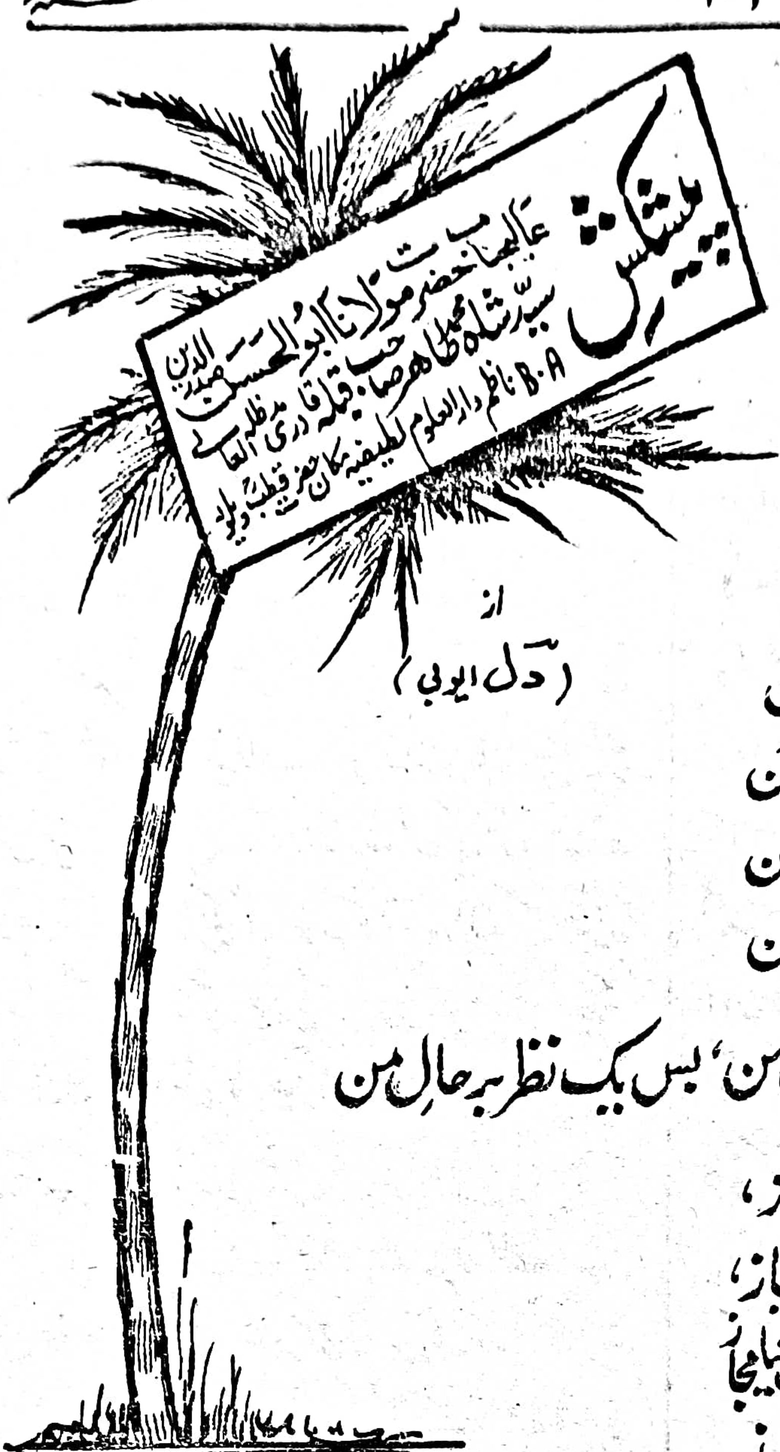

از
(دلؔ ایوبی)

اے بہاروں کے نگہباں، ضامنِ حسنِ چمن
شاہدِ ناز آفریں، اے غیرتِ سروِ چمن
اے چراغِ بزمِ امکاں، اے فروغِ انجمن
اے مسرت کی کرن، اے دافعِ رنج و محن

یک نظر بر حالِ من، بس یک نظر بر حالِ من

جس نے انساں کو کیا انسانیت سے سرفراز،
جس نے سمجھائے حیات و مرگ کے راز و نیاز،
جس کے سب ہیں رہنِ منت کیا حقیقت کیا مجاز
پھر وہی چشمِ کرم درکار ہے بندہ نواز

یک نظر بر حالِ من بس یک نظر بر حالِ من ،

ایک دو کیا، ساری دُنیا درپئے آزار ہے
نام تک میرا مٹانے کے لئے تیار ہے
اب مِری ٹوٹی ہوئی کشتی ہے اور منجدھار ہے
اک نگاہِ لطف ہو جائے تو بیڑا پار ہے،

یکٌ نظر بر حالِ من، بس یکٌ نظر بر حالِ من

کر رہے ہیں آج سب اپنے پرائے دشمنی
زندگی گویا مری الزام بن کر رہ گئی
ہو گیا ہے دیدنی عالم تباہی کا مری
اب سوائے آپ کے کس کو پکاروں یا نبی ؐ

یکٌ نظر بر حالِ من، بس یک نظر بر حالِ من

شاعرِ ناکارہ و بدحال و خستہ دل ہوں میں
جستجو ہوتے ہوئے گم کردہ منزل ہوں میں
بے خبر ہوں، کم نظر ہوں، بیخود و غافل ہوں میں
میرے آقا اک نگاہِ خاص کا سائل ہوں میں

یکٌ نظر بر حالِ من، بس یک نظر بر حالِ من

(از دل ایوبی)

فضائلِ درودِ شریف

از
یس محمد شید پاشاہ بی ایس سی ویلور

اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے "ورفعنالک ذکرک" ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔ ذکر کی بلندی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے طریقے قائم کیا ہے۔ ان میں سے ایک درود شریف بھی ہے۔ آپ کے ذکر پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ اگر ہم صرف آپ کے اسم مبارک کو لیں تو اس میں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آنحضور کو اصلی نام سے نہیں بلکہ صفت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ جیسے یاایھا النبیؐ، یاایھا الرسول، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر وغیرہ اور قرآن مجید میں جہاں آپ کے اسمائے گرامی آئے ہیں خطاباً نہیں بلکہ تذکرۃً وارد ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کو ہمیشہ خطابات سے یاد کرنا ضروری اور سعادت و نیکی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ خدا اور اس کے فرشتے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی نبی کریمؐ پر درود شریف بھیجا کرو۔ اس آیت میں جناب محمدؐ الرسول اللہ کی کمال تعظیم پائی جاتی ہے اور آپ پر درود بھیجنے کے لئے تاکید ہو رہی ہے۔

اللہ نے پہلے اپنا درود بھیجا اور بعد ملائکہ کا درود بھیجا اور لفظ انَّ سے اس مضمون کو موکد کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو یاایھا الذین اٰمنوا سے خطاب کیا اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ درود بھیجنے والا وہ کام کرتا ہے جو خدائے تعالیٰ نے کیا۔ درود بھیجنا ایسا کام ہے جو اس سے پہلے خدا اور ملائکہ نے کیا۔ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایکبار درود بھیجتا ہے تو خدائے تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

درود شریف پڑھتے وقت اپنے دل میں تصور کرلیں کہ ہم حق تعالیٰ کی رحمت بھری دریا میں غوطہ زنی کر رہے ہیں، اور جب اللھم کہیں تو اپنے دل میں سوچیں کہ اب ہم اس رحمان کے نور توحید اور رحمت الٰہی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جب صل علی محمدٍ کہیں تو سوچیں کہ اب ہم حضرت محمدؐ کے دریائے فضیلت میں غوطہ لگا رہے ہیں اور جب وعلی الہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم کہیں تو یہ خیال کرے کہ اب ہم نے فضل اور برکت کے دریا میں غوطہ لگایا ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایک مرتبہ درُود شریف بھیجے گا' اللہ تعالےٰ
اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کریگا اور اس کی دس خطائیں مٹا
دی جائیںگی اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔ اور حضرت ابن
مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'
قیامت کے دن سب سے زیادہ میرا دوست وہ ہوگا جو مجھ پر اکثر
درُود بھیجتا ہوگا۔

جامع التفسیر میں ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر میں جو آداب ہیں
وہی آداب درُود شریف میں بھی ہیں' چنانچہ قبلہ کی طرف منہ کریں'
با وضو پڑھیں' تو ثواب زیادہ ہے' ادنیٰ درجہ درُود شریف
کی کثرت کا تین سو تیرہ ۳۱۳ ہے اور اس کا بھید یہ ہے کہ حق تعالیٰ
نے اس عدد میں ایک ایسا اثر رکھا ہے کہ اس میں فتحمندی' اور
ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

مثلاً اصحاب جنگ بدر بھی ۳۱۳ ہی تھے' حضرت ابوہریرہؓ
رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا' جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر درُود بھیجتا ہے'
میں خود سن لیتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درُود شریف
بھیجتا ہے' اس کو فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ درود
شریف کی کثرت تمہارے لئے زکوٰۃ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق
محدث دہلویؒ جذب القلوب میں فرماتے ہیں :۔

دُنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے
درُود و سلام سے بڑھ کر دوسری کیا نعمت ہوسکتی ہے' کہ
جس میں ذکر خدا اور ذکر رسولؐ ہو۔ چنانچہ ایک نیک آدمی پر
تین ہزار دینار کا قرضہ تھا۔ قرض خواہ نے اس کی نالش کی'
قاضی نے اس آدمی کو ایک ماہ کی مہلت دی کہ اس عرصہ میں
اپنا قرضہ ادا کرے۔ وہ بیچارہ نہایت عاجزی اور انکساری
کے ساتھ درُود شریف پڑھنے میں مشغول ہُوا۔ شانِ سبحان
کہ اس ماہ کی ستائیسویں شب کو کوئی خواب میں کہہ رہا ہے کہ حق
تعالیٰ تیرا قرض ادا کرتا ہے تو علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اور
اس سے کہہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'
کہ تین ہزار دینار میرے لئے قرض ادا کرنے کے لئے دے'
غرض تیسری رات کو آپؐ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وزیر
خواب کی سچائی پر دلیل پوچھے تو کہہ دو کہ تو ہر روز نماز فجر کے
بعد پانچہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے' اس راز سے حق تعالےٰ
اور کراماً کاتبین کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔

یہ نیک شخص خوشی کی حالت میں وزیر کے پاس
گیا اور تمام قصہ بیان کیا' وزیر نہایت خوش ہُوا۔ اور اس کو
مرحبا برسول اللہ حقاً کہتے ہُوے نو ہزار دینار عطا
کیا اور کہا کہ تین ہزار قرض خواہ کو دینا اور تین ہزار اپنے اہل
و عیال پر خرچ کرنا اور بقیہ تین ہزار سے تجارت کرنا۔ ریاضت
ہی کی وجہ سے دل میں نور کا ظہور ہوتا ہے اور قسم دی کہ
مجھ سے ہمیشہ محبت رکھنا اور جو کچھ حاجت ہو بلا تکلف
مجھ سے بیان کرنا۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھتے
وقت حضور علیہ السلام کے خیال کو اپنے دل میں بٹھالیں اور
یہ تصور کریں کہ آپ کی حضوری میں درُود شریف پڑھ رہا
ہوں اور آپ کے سینۂ مبارک سے نور میرے سینے میں آرہا ہے
اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو اتنا سمجھے کہ میرا درُود اور سلام

آپ کے حضوری میں پیش کیا جاتا ہے اور وہاں سے مجھ پر خدا کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سلام کا جواب بھی آتا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ سے منقول ہے کہ ایک شخص "وسلم" نہیں لکھتا تھا، صرف "صلی اللہ علیہ" پر اکتفا کرتا تھا۔ آپ اس کے خواب میں تشریف لائے اور کہے کہ کیوں تو چالیس نیکیاں جو "وسلم" کے چار حرف کے ہیں کھو دیتا ہے۔ پس اب تجھ کو وہ نیکیاں نہیں کھونا چاہیے۔

واقعہ: سلطان حضرت محمود غزنویؒ کا معمول تھا کہ ایک لاکھ بار درود شریف پڑھا کرتے تھے اور اس کا ثواب حضور علیہ السلام کی نذر کرتے۔ اس میں انکا اکثر وقت گذر جاتا تھا، اور انتظامِ مملکت کیلئے کوئی فرصت نہ رہتی۔ لوگ نالاں اور بیزار رہتے کہ جب بھی آئیں آپ نہیں ملتے۔

ایک شب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم آپ کے خواب میں تشریف لائے اور کہے اے محمود! اس درود شریف کو ہر روز نمازِ فجر کے بعد ایک مرتبہ پڑھو، لاکھ درود کا ثواب حاصل ہوگا اور جتنی کثرت سے پڑھوگے اسی قدر تمہیں میری قربت حاصل ہوگی۔ جب سلطان بیدار ہوئے اور لوگوں کو خوشخبری دی۔ اور اس درود شریف کا نام "درود لکھی" رکھا، اس لئے کہ اس کا ایک بار پڑھنا ایک لاکھ مرتبہ درود پڑھنے کے مانند ہے۔

الغرض درود شریف کے بہت سے فضائل ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اپنے آقائے نامدار حضور علیہ السلام کی خدمت میں ہمیشہ درود شریف کا تحفہ پیش کرتے رہیں۔

درود شریف نا پڑھنے کی وجہ سے جو نقصان اور خسارہ ہونے والا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا، اس شخص کی ناک خاک میں بھر جائے جس کے پاس میرے ذکر ہوا ہو اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا۔ اور اس مرد کی ناک بھی خاک آلودہ ہو جس نے رمضان پایا اور اس نے اپنی بخشش نہیں کرائی، یہاں تک رمضان ختم ہوگیا۔ نیز اس شخص کی ناک بھی خاک آلودہ ہو، جس نے اپنے والدین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنتی نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آنحضورؐ کی سچی محبت اور عقیدت سے ہمارے قلوب کو منور کرے۔

آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشاداتِ غوثِ پاک رضؓ

پیش کش
سید عشاق احمد
قادری چیگری، زمرۂ ثانیہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطبؒ ویلور
ندرسؔ

حضرت غوث الاعظم دستگیرؒ کے ارشادات پند و نصیحت سے لبریز ہیں۔ کسی عظیم شخصیت کا قول اور فعل یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ آنے والی نسلوں کے لئے ہر طرح کی رہنمائی کرتے ہیں، اسی نظریہ کے تحت آپ کے بھی چند ارشادات ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں شاید کہ یہ کسی کی زندگی میں اصلاحی انقلاب پیدا کر سکے۔

۱ھ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا تقوٰے اور اطاعت اختیار کرو۔

۲ھ سینے کو خواہشات سے محفوظ رکھو۔

۳ھ نفس میں جوانمردی رکھو۔

۴ھ ایذا رسانی سے باز رہو۔

۵ھ برابر والوں سے حسنِ معاشرت کا سلوک کرو۔

۶ھ چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو۔

۷ھ سنت کی پیروی کرو، اور مصیبتوں پہ صبر کرو۔

۸ھ خدائے تعالیٰ کا فضل مانگو اور اس کے سامنے تم گیند کی طرح ہو جاؤ۔

۹ھ جب گناہ ہو جائے تو توبہ کرنے میں دیر نہ کرو۔

۱۰ھ ماں اور دایہ کے سامنے شیر خوار بچے کی طرح بن جاؤ۔

۱۱ھ جو امیروں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اس کے دل میں دنیا کی محبت اور رغبت زیادہ ہو جاتی ہے۔

۱۲ھ جو فقیروں کے پاس اٹھتا اور بیٹھتا ہے خُدا اس کو شکر اور اپنی رضا مندی عطا کر دیتا ہے۔

۱۳ھ جو فاسقوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے اسمیں گناہوں کی ہمت زیادہ ہو جاتی ہے اور توبہ کی توفیق کم ہو جاتی ہے۔

۱۴ھ جو عالموں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ پرہیزگاری اور علم اس کو زیادہ عطا فرماتا ہے۔

۱۵ھ ایک دوسرے کے بھائی بنو اور آپس میں دشمنی نہ رکھو، اکھٹے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو!

از: سید محمد کمال اشرف جعفری چشتی الازہری
متعلم جماعت رابعہ دارالعلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

چاند کی روشنی سے رات کی تاریکی دُور ہوتی ہے۔ بارش کی حیات افروز بوندوں سے زمین کی تپش و جلن اور اسکی پیاس بجھتی ہے، اسی طرح ایک مردِ باصفا کی زندگی کے انمول نقوش بھٹکی ہوئی راہِ انسانیت کے حق میں خضرِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ازل سے لیکر آج تک اس روئے زمین پر ان گنت نفوسِ قدسیہ کی جلوہ نمائی ہوئی۔ ہر ایک نے قوم و ملت کے لئے اپنی عملی زندگی کے ایسے بے مثال نمونے چھوڑے ہیں کہ جن سے ملت کے افراد کو اپنی زندگیوں کی تشکیل میں بھرپور تعاون حاصل ہوتا ہے اور وہ مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک صحابی حاضر ہو کر عرض کئے کہ یا رسول اللہ میں بہت بھوکا اور خستہ حال ہوں۔ آپ نے امہات المومنین کے مکانات کی طرف ایک آدمی روانہ فرمایا، مگر وہ وہاں سے تہی دست واپس لوٹے، تو رحمتِ عالم ؐ نے اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ کوئی ہے؟ جو آج رات اس مہمان کی میزبانی کر سکے۔ صحابۂ کرام کے جھرمٹ سے عاشقِ رسول حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، اٹھے اور اپنے ساتھ گھر لے آئے اور بیوی سے کہا کہ یہ رسول ؐ اللہ کے معزز مہمان ہیں۔ ان کی میزبانی میں کسی قسم کی کسر باقی نہ رہے۔ بیوی نے کہا، قسم خدائے ذوالجلال کی بچوں کی خاطر بالکل تھوڑا سا کھانے کے لئے رکھا ہے، اس کے علاوہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں۔ حضرت ابو طلحہ رضؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلادو، جب وہ سو جائیں تو کھانا دسترخوان پر چن دینا۔ جب ہم کھانا شروع کر دیں تو تم چراغ درست کرنے کے بہانے گُل کر دو۔ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، آخر یہ دونوں میاں بیوی اور بچے ساری رات فاقہ سے گذار دئے۔ صبح کو جب حضرت ابو طلحہ رضؓ نے دربارِ رسول میں شرفِ باریابی حاصل کی تو سرورِ کائنات و فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ مسرت سے آپ کی جانب نظر کرتے ہوئے فرمائے کہ اے ابو طلحہ! رات مہمان کے ساتھ جو تم نے نیک سلوک کیا اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ راضی ہے، جس کے تحت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ قربان جائیے ان جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر کہ ایک مہمان کی میزبانی میں خود کو اور بچوں کو فاقہ میں

رکھنا گوارا کرلیا۔ مگر مہمان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ یہ تھی آپس میں محبت ان صالحین اور اہل اللہ کی کہ جس کی اسوقت ضرورت ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ایکمرتبہ بازار تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں تھوڑی سی مٹی آپ کے لباس پر آگری۔ آپؒ فوراً دجلہ کے کنارے پہنچے، اور جامہ کو پانی سے خوب صاف فرمایا۔ یہ صورت حال دیکھ کر لوگوں نے آپ سے سوال کیا اے ہمارے پیشوا! آپ نے نجاست کی ایک مقدار معینہ کو جائز قرار دیا ہے مگر اس کے باوجود اس قدر کم مٹی کو آپ کیوں دھو رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں وہ فتویٰ تھا اور یہ تقوے ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ مسائل شرعیہ اپنی جگہ برحق ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور اسی زہد و تقویٰ سے انسان کا نفس سرکش اس کے قابو میں آجاتا ہے۔ ورنہ انسان فریب نفس کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔

حضرت پیران پیر غوث صمدانی محبوب سبحانی مرشد اعظمؒ اپنے وقت کے بہت بڑے رئیس التجار تھے، آپ کے مال کی درآمد و برآمد جہازوں کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ غلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ عرض کیا کہ حضور آپ کا وہ جہاز مال سے لدا ہوا آرہا تھا طغیانی کی وجہ سے سمندر میں غرق ہوگیا یہ سننا تھا کہ آپ نے سر مبارک کو نیچے جھکایا، پھر کچھ دیر بعد گردن کو اوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا، الحمد للہ! اتنے میں خدام و مریدین کی دوسری جماعت حاضر خدمت ہوئی، اور عرض کی کہ سرکار! جہاز کے ڈوبنے کی خبر غلط تھی۔ آپ کا جہاز بے شمار منافع کے ساتھ صحیح و سالم واپس آرہا ہے۔ اس جواب پر بجائے خوش ہونے کے آپؒ نے الحمد للہ کہا۔ آپ کے اس فقرے پر حاضرین متعجب ہوکر سوال کر بیٹھے کہ حضور! یہ کیا ماجرا ہے کہ آپ نے دو مرتبہ بھی سوائے الحمد للہ کے کچھ نہ فرمایا۔ جواب میں حضرت محبوب سبحانی نے ارشاد فرمایا کہ جہاز کے ڈوبنے کی جب اطلاع ملی میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا لیکن کوئی حزن و ملال نہیں دیکھا بلکہ اس کو مطمئن پایا ہے۔ اسپر شکر خدا بجالاتے ہوئے الحمد للہ کہا۔ جہاز کی صحیح و سلامتی پر جب دوسری خبر پہنچی اس وقت بھی دل کو مطمئن پایا جس پہ الحمد للہ کہا۔ دراصل یہی فرق، ان بزرگان دین یعنے خدا کے خاص و رعام بندوں میں ہوتا ہے، اگر یہی واقعہ کسی دنیا دار کو پیش آجاتا اور جہاز کے ڈوبنے کی اطلاع ملتی تو یقیناً رنج و غم سے بے چین و بے قرار ہو جاتا۔ مگر اولیاء اللہ ہیں کہ غمی و خوشی دونوں صورتوں میں رضائے الٰہی کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھے ہیں، نہ ان پر کسی قسم کا غم اثر انداز ہوسکتا ہے اور نہ خوشی اپنا تسلط قائم رکھ سکتی ہے۔

حضرت ابو الحسن خرقانیؒ کے ایک مریدنے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں کوہ لبنان جاکر وہاں کے قطب کی زیارت کر آؤں۔ آپ بخوشی اجازت مرحمت فرماتے ہیں۔ مرید کوہ لبنان

پہنچکر کیا دیکھتا ہے کہ چند اشخاص سامنے جنازہ رکھے بیٹھے ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیوں نماز جنازہ پڑھ کر مُردے کو درگور نہیں کرتے، وہ جواب دئے کہ یہاں پانچوں وقت ایک قطب آتے ہیں۔ اب ظہر کا وقت ہے۔ جب وہ آئیں تو نماز جنازہ پڑھا دینگے۔ اتنے میں وہ بزرگ تشریف لائے اور میں مارے دہشت کے بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو نعش کی تدفین عمل میں آچکی تھی، لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ شیخ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ہیں۔ اس چیز کو معلوم کر کے مجھے بیحد افسوس ہوا کہ میں مرید ہو کر بھی حضرت کی شخصیت سے ناواقف ہوں اور قطب کی زیارت کے لئے وطن چھوڑ کر اتنی دور چلا آیا۔ میں ان سے پوچھا کہ حضرت دوبارہ کب تشریف لائینگے؟ جواب ملا کہ عصر کے وقت، جب حضرت آئے اور نماز عصر پڑھا کر جا رہے تھے کہ میں نے آپکا دامن تھام لیا اور عرض کیا کہ حضور میں بہت نادم و شرمسار ہوں، مجھے خرقان پہنچا دیجئے، آپ نے فرمایا ضرور پہنچا دوں گا۔ مگر اس کو راز میں رکھنا چونکہ میں خدا سے درخواست کیا ہوں کہ میری حقیقت مخلوق خدا سے پوشیدہ رہے۔

خاندانِ اقطابؒ ویلور کے جلیل القدر بزرگ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری **محوی** ویلوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید صادق نے عرض کیا کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ کے مسجد میں تشریف لانے پر اور باجماعت نماز کے ادا نہ کرنے پر لوگوں کا اعتراض ہے، اور شکایت و چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، یہ سن کر اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا تم کہتے جاؤ، میں سن رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اس مرید صادق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا، آنکھیں بند کرلو، مرید نے آنکھیں بند کرلی، پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھیں کھولو، تو وہ کھول دئے، دیکھا کہ صحن مسجد حرام میں دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مؤذن نے اذانِ عصر پکاری اور وقت ہونے پر حضرت محویؒ اور آپ کے مرید مسجد حرام میں نماز با جماعت ادا کی، بعد ازاں حسب ارشادِ شیخ آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولنے پر اپنے مقام پر آگئے۔ اور حضرت نے فرمایا کہ میں پانچوں وقت کی نماز یہاں پڑھ لیتا ہوں۔ مگر یاد رہے کہ میری زندگی میں کسی سے اس راز کو افشا نہ کرنا۔ الغرض ان بزرگوں کے ہر واقعہ سے ہمیں عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے لیکن بسا اوقات ہماری عقلیں ان واقعات کی گہرائیوں اور رموز کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں جسکی تصدیق حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی ملاقات کے بعد حضرت مولانا رومیؒ نے آپ کو کھانے پر مدعو کیا۔ مولانا رومیؒ کے جاہ و جلال کی ہیبت ساری قلمرو پر ہی نہیں تھی، بادشاہ خود آپ کا احترام و ادب کیا کرتا تھا۔ عالیشان مکان، دروازہ پر پہرہ دار، راحت و آسائش کا ہر سامان فراہم تھا۔ مولانا رومیؒ کی شایانِ شان ایک عظیم الشان لائبریری تھی، جس میں نایاب و نادر کتب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ حضرت

شمس تبریزیؒ مکان پر پہنچے تو مولانا لائبریری میں موجود تھے۔ آپ نے ان کو وہیں بُلوالیا۔

مولانا فلسفہ کی ایک ایسی کتاب مطالعہ فرمارہے تھے کہ جسکا نسخہ صرف ان ہی کی لائبریری میں موجود تھا مطالعہ کی محویت اور دلچسپی اتنی بڑی ہوئی تھی کہ آنے والے مہمان کو رسمی طور پر خوش آمدید کہنے کے بعد حضرت مولانا پھر مطالعہ میں محو ہو گئے۔ حضرت شمسؒ تبریزی نے مولانا سے پوچھا۔ ایں چیست؟ تو مولانا کا پندار علم بر جستہ بول اٹھا۔ "ایں علمیست کہ تو نمی دانی" (یہ وہ علم ہے جسے آپ نہیں جانتے) بادۂ روحانیت سے الکتاب فیض کا وقت آہی گیا تھا۔ حضرت شمس تبریزیؒ نے معنیٰ خیز تبسم کے ساتھ خموشی اختیار کرلی اور جب مولانا رومیؒ کسی ضرورت کی وجہ باہر گئے تو حضرت تبریزیؒ نے فلسفہ کی وہی کتاب اٹھائی اور مکان کے حوض میں ڈال دی۔ مولانا واپس تشریف لائے تو اسی کتاب کا خیال تھا۔ دیکھا تو کتاب موجود نہیں تھی۔ اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن جتنا وقت گذرتا جاتا تھا مولانا کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی آخر حضرت شمس تبریزیؒ نے پریشانی کا سبب پوچھا اور مولانا نے بتایا تو حضرت نے بہت اطمینان وسکون سے فرمایا۔ "وہ کتاب تو میں نے حوض میں ڈالدی ہے"۔ مولانا برافروختہ ہوئے اور اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر سخت باتیں کیں۔ حضرت نے فرمایا "اس میں خفا ہونے اور افسوس کرنے کی کونسی بات ہے اگر وہ کتاب تمہیں بے حد پسند ہے تو آؤ منگائے دیتے ہیں" حضرت مولانا رومیؒ بے حد غصے کہ پانی کے بھرے ہوئے حوض میں نایاب قلمی کتاب کا پھینکدینا ہی کونسی عقل وہوش کی بات تھی اور اب دوسری بات اس سے بھی زیادہ خلافِ دانش یہ کہہ رہے ہیں کہ "آؤ کتاب لے آئیں"۔ حضرت شمس تبریزیؒ نے کہا "تم اپنے علم کے مطابق تو ٹھیک ہی کہتے ہو لیکن تمہارا اس میں نقصان بھی کیا ہے، تمہارے نزدیک تو کتاب ضائع ہو چکی ہے تلاش کر لینے میں کیا حرج ہے"؟

مولانا رومیؒ راضی ہو گئے اور حضرت ان کو لیکر حوض پر پہنچے، اور آپ نے حوض کی مچھلیوں کو مخاطب کر کے فرمایا "آؤ ہمارے مولوی کی کتاب لادو"۔

چندی لمحوں میں کچھ مچھلیاں تو یوں ہی تیرتی ہوئی سامنے آ کر رک گئیں لیکن ان میں سے ایک مچھلی آئی جسکے منہ میں وہی نایاب کتاب تھی اور اس نے حوض کے کنارے پر وہ کتاب چھوڑدی۔ حضرت تبریزیؒ مسکرا رہے تھے۔ اور حضرت مولانا رومیؒ اسی عالم محویت وحیرت میں کھڑے تھے کہ حضرت تبریزیؒ نے کتاب اٹھاکر مولانا کے حوالہ کردی۔ مولانا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ پانی کی تہ میں پڑی ہوئی کتاب جب حوض سے باہر آئی تو اس پر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ جلد کی نفاست و نزاکت، کاغذ کی خشکی یہاں تک کہ حروف کی سیاہی بھی اپنی حالت پر قائم تھی۔

مولانا نے بے اختیار پوچھا، ایں چیست؟ (یہ کیا ہے) تو اب حضرت تبریزیؒ نے اسی طرح جواب دیا۔ لیکن کتنی سچی اور بلیغ بات فرمائی "ایں سرلیست کہ تو نمی دانی" (یعنی یہ ایسا راز ہے جس کو تم نہیں جانتے) مولانا رومیؒ اس واقعہ

بقیہ بر صد ۱۰۱

فلسفۂ کسبِ حلال

از
کے۔یم۔ شاکر اللہ مدنپلی
زمرۂ سابعہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرّہ العزیز

لے لے کے خدا کا نام چلاتے ہیں
پھر بھی اثرِ دعا نہیں پاتے ہیں۔
کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز دوا کھاتے ہیں
(حضرت امجد رح)

صبح کی پو پھٹتے ہی تمام چرند اور پرند غذا کی تلاش میں اپنی پناہ گاہوں و گھونسلوں سے نکل پڑتے ہیں اور انسان بھی اپنی خوابگاہ سے نکل کر میدانِ عمل میں آجاتا ہے۔ دن بھر کی جدوجہد اور مشقت کے بعد شام ہوتے ہوتے تمام اپنی پناہ گاہوں میں واپس لوٹ جاتے ہیں، اس طرح ان کا یہ دن ختم ہوجاتا ہے۔ رات کے سیاہ پردے گر جاتے ہیں۔ اور ساری کائنات خاموش ہوجاتی ہے، دنوں کا یہ چکر ازل سے چلا آرہا ہے۔ اور ابد تک چلتا رہے گا ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

حیوانات چونکہ غیر ذوی العقول ہیں لہٰذا ان کے کسب معاش کے لئے کوئی اصول و قواعد نہیں البتہ انسان صاحب عقل و مکلف ہونے کی وجہ تحصیل معاش کے لئے اُسے قدرت کے قائم کردہ اصول و قواعد کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک معاش کے سینکڑوں طریقے ایجاد ہوچکے ہیں۔ ہر زمانے میں اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں نے ایسے طریقوں کو اپنایا ہے جس سے اُن کی روحانی پرواز میں اضافہ ہوتا رہا۔

مذہب اسلام نے جہاں انسان کی ہر شعبہائے زندگی میں رہنمائی کی ہے کسب معاش کے عمدہ اور بہتر طریقوں کو اپنانے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض و ابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (سورۂ جمعہ)	نماز (جمعہ) سے فراغت کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل (یعنی رزق) کو تلاش کرو اور اللہ کو خوب یاد کرو بیشک تم فلاح پاؤ گے۔

جلالین میں وابتغوا کی تفسیر الطلبوا الرزق سے کی گئی ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کسب الحلال فریضة بعد الفریضہ یعنی فرائض پنجگانہ کے بعد حلال رزق کا حاصل کرنا بھی فرض ہے کسب حلال مسلمان کو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران کرتا ہے، اس کے برعکس حرام غذا اس کو دونوں جہاں میں ناکام و رسوا کر دیتی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لا یدخل الجنة جسد غذی بالحرام — وہ جسم جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام کمائی سے غذا حاصل کیا ہے۔

انسان کے لئے صنعت و حرفت، زراعت و تجارت اور محنت و مزدوری بہتیرے معاشی ذرائع موجود ہیں، انہیں اپنا کر اپنی زندگی کو خوشگوار بنایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ سب پیشے اس رزق سے بہتر ہیں جن کا حصول حرام طریقے سے ہوا ہے۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ دن بھر لکڑیاں توڑ کر بازار میں فروخت کرتے ہیں وہ اس شخص سے بہتر ہیں جو در بدر بھیک مانگ کر یا چوری کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے کسی نے آپؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلعم کون سی کمائی فاضل تر ہے۔ آپؐ نے فرمایا تجارت کرو، یا مزدوری کر کے کھاؤ۔ یہ تمام کمائیوں سے افضل ہیں اور اللہ رب العزۃ نے فرمایا۔

یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون ○ — اے ایمان والو، کھاؤ تم پاک غذائیں جنکو ہم نے تمہارے لئے رزق بنایا ہے اور اللہ کا شکر کرو اگر تم عبادت کرتے ہو۔

ان آیات قرآنی اور احادیث سے معلوم ہوا کہ بھیک اور کسب حرام بہت بری چیزیں ہیں جس سے انسان تزکیہ نفس جیسی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ غذا ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان اچھا یا برا بنتا ہے اور حلال غذا ہی سے اس کی عبادت و ریاضت مقبول ہوتی ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس سے دل نرم ہوتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ سے ہمیں اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابوحفص طرطوسی اپنا ایک واقعہ عرض کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابوعبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ حضرت، یہ بتائیے دل کس طرح نرم ہوتے ہیں۔ حضرت احمد بن حنبل نے پہلے تو اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا پھر کچھ دیر بالکل خاموش بیٹھے رہنے کے بعد فرمایا پیارے بیٹے! دل حلال روزی سے نرم ہوتے ہیں۔ حضرت کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ پھر میں نے ان کے پاس سے اٹھ کر بشیر بن حارث کے پاس گیا اور ان سے پوچھا دل کیسے نرم ہوتے ہیں۔ ابونصر نے کہا کہ کان کھول کر سنو، اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ میں نے ابونصر سے کہا کہ میں نے یہ سوال حضرت احمد بن حنبل سے پوچھا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ دل حلال روزی سے نرم ہوتا ہے۔ ابونصر نے سر ہلایا اور کہا بالکل صحیح فرمایا۔ میں وہاں سے اٹھ کر عبدالوہاب کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا، اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ میں نے ان سے کہا میں یہی سوال احمد ابن

حنبل سے پوچھا' انہوں نے کہا کہ حلال روزی سے دل نرم ہوتے ہیں۔ یہ سن کر عبدالوہاب کا چہرہ چمکنے لگا اور بولے' کہ خدا گواہ ہے' احمد بن حنبل نے بڑے کانٹے کی بات کہی (ماخوذ)

پس اگر کوئی حرام غذا استعمال کیا تو نہ اسکی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا' بلکہ اس کے سارے صدقات وخیرات ناکارہ ثابت ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر صدقہ کیا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اس کے خرچ میں برکت نہ ہوگی بلکہ مرنے کے بعد وہی مال عذاب بن جائیگا۔ کسی مرد باصفا کا قول ہے کہ حرام مال میں سے خرچ کرنے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کپڑے کو پیشاب سے دھو رہا ہو' اور حرام مال کو راہِ خدا میں صرف کرکے نیکی کی امید رکھنا جو کو بو کر گیہوں کی امید رکھنے کے مصداق ہے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہماری یہ سراسر خود فریبی ہوگی' کیونکہ ظاہر بات ہے کہ حرام مال کو بارگاہِ ایزدی میں ہرگز شرف قبولیت حاصل نہیں مثلاً سود خوار ہے اسکی نہ نماز قبول' نہ دعا۔ اگر ہم سود خوار کے گھر میں کوئی چیز کھالیں تو ہماری نماز اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک وہ غذا ہضم نہ ہو جائے۔

چور' رشوت خور' اور قمار باز سب اسی قماش کے ہیں۔ چور جو چوری یا ڈاکہ زنی کے ذریعہ غذا استعمال کرتا ہے' رشوت خور جو مظلوموں کا خون چوس کر ان کے مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرکے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور قمار باز جو جوا کھیل کر لوگوں کے مال کو اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔ اسی طرح سے یتیموں کے مال کو حلال جان کر کھانا یا امانت کی اشیاء میں خیانت کرنا' اور تجارتی معاملات مثلاً ناپ تول میں کمی کرکے اُن سے نفع حاصل کرکے اپنے لئے حلال تصور کرنا۔ یہ تمام چیزیں حرام ہیں بس پس مذکورہ بالا اموال کو جائز رکھنے والے کی نہ دنیا سنورتی ہے اور نہ آخرت' چنانچہ ایسے ہی لوگوں سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یاتی علی الناس زمان لایبالی المرء ما اخذ منه أمن الحلال أم من الحرام (بخاری)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئیگا کہ آدمی کو اس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ اس نے کس طریقے سے مال حاصل کیا ہے. حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے۔

موجودہ دَور حضورؐ کے اس قول کا آئینہ دار ہے کمائی تو حرام کی ہوتی ہے مگر اسکو حلال تصور کیا جاتا ہے آج انسان سمجھ نہیں رہا ہے کہ میں جو غذا کھا رہا ہوں اس میں خالص حلال غذا ہے' یا حرام' چنانچہ غوث الاعظمؒ دستگیر کا ارشاد ہے۔

جس نے حرام غذا میں سے قدرے قلیل بھی کھایا اسکی مثال اس شخص کی ہے جس نے ہوائے نفس سے مباح چیز زیادہ کھالی اس لئے کہ حرام غذا نورِ ایمان کو ڈھانک لیتی ہے اور وہ دل کو تاریک کر دیتی ہے جیسے کہ شراب عقل کو ڈھانک لیتی ہے اور اُسے تاریک کر دیتی ہے۔ اور جب ایمان تاریک ہوگیا تو نہ نماز ہے نہ عبادت اور نہ اخلاص ہے اور جس نے امرِ الٰہی کے ساتھ حلال غذا میں سے تھوڑا کھایا اور اس لئے کھایا کہ عبادت میں ذوق اور قوت پائے' اُسے ایک نور ملا اور حرام غذا ظلمتوں میں سے

ایک بڑی ظلمت ہے حرام میں نہ کوئی نیکی ہے اور بھلائی ہے نہ خیر۔ پھر امرالٰہی کے بغیر محض اپنے خواہش نفس سے اکل حلال بھی اکل حرام کے مانند ہی ہے کہ یہ بھی نیند لانے والوں ہی میں سے ہے اور پھر اس میں بھی کوئی بھلائی اور کوئی نیکی نہیں رہتی۔ (ماخوذ)

انبیاء کرامؑ، صحابۂ عظامؓ اور اولیاء کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی سیرت مقدسہ کے ہر ورق میں مرقوم ہے کہ وہ حلال رزق کے کس قدر خواہاں تھے، ان کا کسب معاش کیا تھا اور وہ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے، حضور نبی کریم صلعم کی ابتدائی زندگی بکریوں کے چرانے میں بسر ہوئی پھر آپ نے تجارت جیسے زرّین پیشے کو اپنایا' اور اسی سے اپنی زندگی خوشگوار بنائی۔

حضرت داؤدؑ لوہار تھے جو اپنی محنت و مشقت سے لوہے کو موم بنا کر اوزار تیار کر کے فروخت کرتے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب اپنی بیشمار سلطنت و دولت کے باوجود ٹوپیاں سیکر اور قرآن شریف کی کتابت فرما کر حلال کمائی سے زندگی بسر کی اور بزرگانِ دین کا یہی شیوہ رہا ہے کہ تناول طعام سے پہلے تامل فرما لیتے۔ اگر کسی وقت اتفاق سے کوئی چیز کھا بھی لیتے تو فوراً حلق میں انگلیاں ڈال کر قئے فرما دیتے اور ہر لمحہ دُعا کرتے کہ یا الٰہ العالمین ہمیں حلال غذا میسر فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام نے ایکبار آپؓ کی خدمت میں کھانے کی کوئی چیز پیش کی' آپؓ نے اس میں سے ایک نوالہ تناول فرما لیا' بعد میں آپؓ نے فرمایا یہ چیز تو کہاں سے لایا تھا اس نے بتایا کہ ایک بار ایام جاہلیت میں ایک شخص کو کوئی تکلیف تھی تو میں نے منتر پڑھ کر پھونکا تھا۔ اس سے اسکی تکلیف رفع ہو گئی۔ پھر آج میں نے اس کے گھر کے پاس سے گذرا تو اس کے یہاں کوئی تقریب تھی' اس نے مجھ کو دیکھ کر یہ چیز دی' اتنا سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حلق میں انگلی ڈال کر قئے کرنی چاہی مگر وہ لقمہ نہ نکل سکا۔ اسپر آپؓ نے گرم پانی کے ذریعہ بمشکل تمام قئے کیا۔ لوگوں نے عرض کیا یا امیرالمومنین اتنی سی بات کے لئے اس قدر تکلیف اٹھائی؟ آپ نے فرمایا اگر اس حرام نوالے کو خارج کرنے میں میری جان بھی جاتی تو مضائقہ نہ تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ حرام میرے خون میں شامل ہوا اور میں قیامت کے دن گناہگار ٹھہرایا جاؤں۔ (ماخوذ)

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا جس کے دونوں ہاتھ بیحد سخت تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ تمہارے ہاتھ کیوں سخت ہیں۔ اس نے مودبانہ جواب دیا' یا رسول اللہؐ میرا ذریعۂ معاش محنت و مزدوری ہے۔ میں پتھر لاد کر اپنا پیٹ بھرتا ہوں یہ سُننا ہی تھا کہ حضور صلعم نے اس شخص کو جنت کی بشارت دی یعلوم ہوا کہ کسب حلال کی بدولت ہم نجات اُخروی کا سامان بآسانی مہیا کر سکتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے والدِ محترم جب دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور آپ کی متروکہ جائداد مال و متاع حضرت حافظؒ کے بڑے بھائی نے عیش و عشرت

میں ختم کر دیا۔ والدہ صاحبہ کی ذمہ داری آپؒ ہی کے سر عائد ہو گئی۔ چنانچہ آپ بچپن ہی سے آٹا گوندھ کر اپنا پیٹ پالا کرتے اور فرصت کے اوقات میں اپنے محلہ کے ایک مکتب میں تحصیل علم فرماتے۔ رفتہ رفتہ آپؒ علم کی بلند تر منزلوں پر پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ شاعر زماں کہلائے۔ بریں بنا آپ کے کلام کی شہرت دُور دُور تک پہنچی، تو ہر ایک یہ تمنا کرتا کہ حضرت ہماری بزم میں تشریف لائیں اور اپنے عمدہ کلام سے ہمیں محظوظ کریں۔ اور ہم انہیں تحفہ و تحائف سے مالا مال کریں مگر حضرت کی غیرت نے یہ کبھی گوارہ نہ کیا کہ کسب حلال کے سوا رزق حاصل ہو۔

اسی طرح حضرت سید شاہ عبدالرحمٰن حسینی بیجاپوری نے کسی شخص کی دکان میں ملازمت کر لی تھی۔ ایکمرتبہ دکاندار نے ڈبے میں تیل ڈال کر آپ کے سر پہ رکھا۔ اور دکان کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ جب آپ چلنے لگے تو اثنائے راہ میں عصر کا وقت آگیا۔ آپ اپنے آقا سے کہنے لگے آپ چلئے میں نماز پڑھکر لے آتا ہوں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آگے بڑھ کر کسی درخت کی آڑ میں چھپ کر آپ کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔ آخر الامر کیا دیکھتا ہے کہ جب نماز ختم ہوئی اور آپ چلنے لگے تو آپ کے سر سے ڈبا ایک انچ اوپر معلق ہے اور آپ چلے آرہے ہیں۔ دکاندار سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ چنانچہ انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں خیال کر کے اس دن سے وہ آپ کو ہر کام سے بری کر دیا۔ جب وقت معینہ پہ تنخواہ دینے لگا تو آپ نے منع کر دیا کہ تم مجھ سے کوئی کام نہیں لیتے۔ میں ان پیسوں کو اپنے لئے کیسے جائز رکھوں، یہ کہہ کر آپ نے ملازمت ترک کر دی اور کتابت کر کے حلال غذا حاصل کرنے لگے۔

حضرت ابو صالح جنگی دوست کسی جنگل کی جانب تشریف لے گئے کہ اثنائے راہ میں بھوک کی شدت نے پریشان کر دیا۔ وہاں کچھ نہ پاکر نہر کی راہ لی کہ اتنے میں ایک سیب بہتا ہوا نظر آیا۔ آپ نے فوراً اس کو اٹھایا اور کھالیا۔ سیب کھائے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ضمیر نے آپ کو جھنجوڑا کہ یہ سیب کسی غیر کا ہے جسکو آپ نے بلا اجازت کھا لیا ہے۔ اسی وقت اس کے مالک کی تلاش میں نکل پڑے اور ندی کے اُوپر کی سمت بڑھے جا رہے تھے کہ ایک باغ نظر آیا جو اسی نہر سے متصل تھا اور اس باغ کے درخت کی شاخیں پانی پہ سایہ افگن تھیں۔ آپ نے سمجھا کہ ہو نہ ہو یہی وہ باغ ہے جس کا سیب میں نے کھایا ہے' آخر کار نہایت تلاش و جستجو کے بعد مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے چند سال ملازمت کی شرط لگائی جسکو مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ جب مدت معینہ ختم ہوئی، تو مالک نے ایک آخری شرط پیش کی کہ میری ایک دختر ہے جس میں یہ تمام عیوب موجود ہیں۔ اندھی۔ لولی، لنگڑی، بہری، اور گونگی ہے اس سے نکاح کریں۔ آپ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ نکاح کے بعد شب زفاف میں دیکھا کہ ایک ماہ پیکر حسینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے، جو تمام عیوب سے پاک خوبصورت لباس میں ملبوس ہے سامنے کھڑی ہے۔ آپ متحیر خسر کی خدمت میں آئے اور ماجرا کہا تو جواب ملا کہ میں اپنی بیٹی کو لولی

اس لئے کہا کہ آج تک اس نے کوئی بُرا کام اپنے ہاتھوں سے نہیں کیا اور کسی بُری چیز کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اس لئے اندھی کہا ہے۔ لنگڑی اس لئے کہا کہ آج تک وہ کسی بُرے کام کی جانب اپنے قدم نہ اُٹھائی اور کسی بُری بات کو اپنے کانوں سے نہ سنی اس لئے بہری کہا۔ اور وہ کسی کو گالی نہ دی اس لئے گونگی کہا۔ مختصر یہ کہ مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اُن سے حضرت غوث پاکؒ جیسی عظیم شخصیت کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ حضرت ابو صالحؒ کے حلال رزق ہی کا نتیجہ تھا، کہ آپ کی پشتِ مبارک سے مادرزاد ولی تولد ہوئے، اور دنیا والوں کے لئے رہبر ثابت ہوئے۔ الغرض حلال غذا سے نیک اولاد جنم لیتی ہے اور حرام غذا سے بُری اولاد۔

وہ جسم جو حرام غذا سے پرورش پایا ہے، وہ دوزخ ہی کے لائق ہے اور ایسے جسم سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ اس سے نیک اولاد ہوگی اسی لئے حضور نبی کریم صلعم نے فرمایا۔

لا یدخل الجنۃ لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولیٰ بہ (مشکوٰۃ)	وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جس نے حرام سے نشو نما پائی اور ہر وہ گوشت جس نے حرام سے نشو نما پائی دوزخ ہی کے لئے لائق ہے۔

قارئین کرام! خالقِ کونین نے بنی نوعِ انسان کو ساری کائنات پر فوقیت دی اور انہیں مقصدِ تخلیق سے بھی روشناس کیا اور ساتھ ساتھ رہنے سہنے کھانے پینے اور چلنے پھرنے کی تمام تر قوتوں سے سرفراز فرمایا۔ ایک سب سے بڑا احسان اس نے ہم پر یہ بھی کیا۔ کہ ہمیں کسبِ معاش کے بہتر سے بہتر اور جائز طریقے بھی بتلا دیا۔ اگر اس کے باوجود ہم اُن پر عمل پیرا نہ ہوں تو ہماری زندگیوں سے موت بہتر ہے، جیسا کہ شاعرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العالمین۔

علامہ اقبالؒ اور سفر میسور

از
مولوی مصطفےٰ کمال
پاشاہ لطیفی
(SSLC)
میسور

کسی شخصیت کے متعلق نشاندہی کرنا یا اس کی زندگی کا کوئی ایک اہم گوشہ بیان کرنا مقصود ہو تو اصولاً اس کے حالاتِ زندگی کا مختصر اً تعارف کرانا اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ اس کے ایک اہم گوشہ کا۔ یوں تو علامہ اقبالؒ کی ذاتِ گرامی تعارف کی محتاج نہیں، ان کے متعلق کئی ضخیم کتابیں دفتروں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں اور جس نے بھی آپ کے متعلق قلم کو جنبش دی، وہ بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ؎ شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیر ہا۔

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ۱۸۷۳ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ آپ کشمیری برہمنوں کے ایک نہایت قدیم خاندان کے فرد ہیں۔ تقریباً سوا دو سو سال کا عرصہ ہو رہا ہے کہ آپ کے جدِ اعلیٰ ایک مسلمان درویش کے معتقد ہو کر مسلمان ہوئے اور کشمیر سے پنجاب کے ایک مقام سیال کوٹ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے والد شیخ نور محمد ایک دیندار اور متقی و پرہیزگار آدمی تھے۔ سارے لوگ آپ کے حسن اخلاق اور حسن سلوک کے مداح اور شیدائی تھے۔

ایسی صورت میں آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے باپ کے زیر سایہ ہر وقت اور ہر لمحہ رہنے والے فرزند پر کتنا اثر نہ ہوا ہوگا۔ چنانچہ اس ہونہار بچہ پر باپ کی تربیت اور روحانیت کا وہ اثر ہوا جسکو خود اقبالؒ نے متعدد مقامات پر اپنے والد کے فیض تربیت کا ذکر انتہائی دل کش اور انوکھے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

آپ کی مشہور فارسی مثنوی "رموز بیخودی" میں آپ کی طالب علمی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن کسی فقیر نے آپ کے دروازے پر صدا لگائی اور وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو اسکی ضد اور ہٹ پر بیحد غصہ آیا اور آپ برداشت کئے بغیر اُسے مار بیٹھے۔ یہ منظر دیکھ کر رقیق القلب باپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اسی عالم میں اپنے دلبر کو نصیحت کرنے لگے کہ بیٹا قیامت کے دن جب آقائے نامدار حضور سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ساری امتِ اسلامیہ جمع ہو گی اور اس وقت یہ مظلوم فقیر تمہارے اس ظلم کی فریاد کرے تو اس وقت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا جواب دوں۔

"اے نورِ نظر! تو امتِ محمدیہ کا ایک فرد ہے، تجھے اخلاقِ محمدیؐ سے بہرہ ور ہونا چاہیئے اور سراپا رحمت و شفقت بننا چاہیئے نہ کہ ظلم و فرعونیت کا نمونہ۔ کہا جاتا ہے کہ اس نصیحت کا اثر اقبال پر اتنا ہوا کہ آخر وقت

تک اس کے اثرات باقی رہے۔ نیز آپ کے والد یہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جب تم قرآن پڑھو تو اس طرح کہ قرآن تم ہی پر اترا ہے۔ یعنی مطلب یہ کہ خدا خود تم سے ہمکلام ہے۔ چنانچہ اقبالؒ کو ابتدا ہی سے قرآن کا سچا عاشق اور قدردان بنایا' تھا۔ قرآن کی تلاوت وہ بڑے ذوق اور پابندی کے ساتھ کرتے تھے۔ اور اس سے بیحد متاثر ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں جابجا قرآنی تلمیحات و تعلیمات ملتی ہیں۔

پھر سونے پہ سہاگہ یہ کہ آپکی والدہ ماجدہ بھی نہایت دیندار اور صالحہ خاتون تھیں، چنانچہ والدہ کے انتقال پر آپ نے دردناک اور دلخراش مرثیہ کہا ہے اور اس میں ماں کی تربیت کا اعتراف انتہائی ممنونیت کے ساتھ کیا ہے۔

تربیت سے میں تری انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

مذکورہ اشعار اور واقعات اس بات کی صاف شہادت دے رہے ہیں کہ آپکے والدین دیندار اور مذہبی علوم کے بڑے قدردان تھے، چنانچہ آپ چوتھی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ ایکدن آپ کے والد صبح سویرے مولوی میر حسن کے ہاں پہنچے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب' اکثر میں سوچتا ہوں کہ آخر اقبال انگریزی تعلیم حاصل کر کے کیا کریگا' اسے مذہبی تعلیم کیوں نہ دی جائے جس سے اس کی عاقبت سنور جائے اور خدمتِ قوم کا اس میں صحیح جذبہ پیدا ہو۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ اسکول جانے کے بجائے آپ سے مسجد میں دینیات پڑھتا رہے مولوی صاحب یوں ہی کچھ دیر بیٹھے رہے اور جواب میں صرف اتنا کہا کہ یہ بچہ صرف مسجد میں پڑھنے کے لئے نہیں' بلکہ اسکول میں بھی پڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ چونکہ مولوی صاحب کو قبل از وقت اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ یہ لڑکا آئندہ چل کر قوم و ملک کے لئے ایک صحیح رہنما ثابت ہوگا۔ اور ایک مدت تک اہل عالم اس سے فیضیاب ہوتے رہینگے۔ شیخ صاحب دل سے مولوی میر حسن کی عزت کرتے تھے' اس لئے یہ جواب سن کر خاموش رہے۔

ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کرنے کے بعد مشن سکول سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔ ابتدا ہی میں یہ حال رہا' کہ اپنے درجوں میں فرسٹ آنے لگے اور انٹرنس کے امتحانات میں سرکاری وظیفے کے مستحق ٹھہرے' اقبال کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں اس زمانہ میں عربی اور فارسی کے زبردست اور قابل استاذ' جناب مولانا سید میر حسن نے اپنی زیر تربیت رکھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص اثر یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا ہو جاتا تھا' چنانچہ اقبال نے اس شفیق اور کرم فرما استاد سے عربی اور فارسی پر خاصہ عبور حاصل کر لیا۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب تک ایک

مریض اپنے حکیم پر اور ایک شاگرد اپنے استاد پر اچھا اعتقاد نہیں رکھتا، اس وقت تک مریض اپنے مرض سے چھٹکارا اور شاگرد اپنے استاد سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور نہ کہیں سرخروئی حاصل کر سکتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اقبال اپنے استاذ کا نہایت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ حکومت جب انہیں "سر" کے خطاب سے نوازنا چاہا تو آپ نے حکومت سے صاف کہدیا کہ میں اس خطاب کو اپنے لئے اس وقت قبول کروں گا جب کہ میرے استاذ کو بھی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا جائے۔ بالآخر حکومت نے آپکی اس شرط کو تسلیم کر لیا۔

طالب العلمی ہی کے زمانہ سے آپ میں شعر و شاعری کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا اور آپ یوں ہی بیٹھے بیٹھے اپنے مذاق کے مطابق کئی ایک شعر کہہ لیتے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایکمرتبہ آپنے اردو کے مشہور و معروف شاعر اور استاد بدیع الزمان نواب مرزا داغ دہلوی (جو اسوقت نظام دکن میر محبوب علیخان کے اُستاد تھے) کے پاس بغرض اصلاح چند غزلیں بذریعۂ ڈاک ارسال کیں۔ آپ کی ابتدائی غزلوں سے ہی جناب داغ یہ پہچان گئے کہ یہ کوئی معمولی طالب علم کی غزلیں نہیں ہیں۔ اور جب بغرض اصلاح نظر دوڑائی تو سوائے شاذونادر چند مقامات کے کسی جگہ اصلاح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اور جواب میں لکھ بھیجا کہ کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے۔ غرض استادی اور شاگردی کا یہ تعلق و سلسلہ بہت دیر تک قائم نہیں رہا۔ ابھی داغ بقید حیات ہی تھے کہ اقبال کی شہرت ملک بھر میں ہو چکی تھی اور داغ بھی اس بات پر فخر کرتے تھے کہ جن شعراء کے کلام کی اصلاح میں نے کی ہے ان میں جناب اقبال بھی شامل ہیں اور اقبال نے بھی اپنی پرانی غزل میں حضرت داغ کی تلمذی پر فخر کیا ہے۔

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردئ داغ سخنداں کا

اس زمانہ میں سیالکوٹ میں ایف۔اے تک ہی تعلیم کا انتظام تھا۔ اس سے آگے تعلیم نہ تھی۔ اس لئے آپ لاہور چلے آئے اور یہاں گورنمنٹ کالج میں (بی۔اے) کلاس میں داخل ہو گئے، یہاں بھی آپ کو خوش قسمتی سے فلسفہ کے مشہور پروفیسر سر ٹامس آرنلڈ کی صحبت ملی۔

اقبال کو فلسفہ سے دلچسپی در زیادہ لگاؤ ہونے کی وجہ سے پروفیسر آرنلڈ کی خصوصی توجہ آپ کی جانب ہوئی اور دن بدن اقبال کے ساتھ آپکی والہانہ شفقت بڑھتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی قابلیت درجۂ کمال پہ پہنچ گئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے امتیازی حیثیت سے بی اے کا امتحان پاس کیا، اور اس کے صلہ میں ماہوار وظیفہ کے ساتھ آپ کو دو طلائی تمغے بھی ملے، پھر جب یم اے میں درجۂ اول سے کامیابی حاصل کی تو نانک بخش میڈل کے حقدار ٹھہرے۔ آپکی اس دن دونی کامیابی پہ پروفیسر آرنلڈ بے حد متأثر ہوئے۔ مسٹر آرنلڈ کو اس بات پر ناز تھا کہ میرا یہ شاگرد علمی دنیا میں میرا نام روشن کریگا۔ سچ پوچھا جائے تو عربی اور فارسی علوم میں جناب مولانا میر حسن اور مغربی علوم کی تحصیل و تکمیل میں پروفیسر آرنلڈ کی رہبرانہ اور مصلحانہ کوشش نے آپ کو بام عروج پہ پہنچانے کا خاص ذریعہ بنی۔

جس وقت پروفیسر آرنلڈ ۱۹۰۴ء میں انگلستان تشریف لے گئے اسی وقت اقبال کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جلد از جلد مغربی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان روانہ ہو جاؤں چنانچہ اسی جذبہ کے تحت دوسرے سال ۱۹۰۵ء میں آپ نے بھی انگلستان کا رُخ کیا۔

انگلستان پہنچکر آپ نے وہاں کی مشہور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اور قابل اساتذہ سے خوب استفادہ کیا خاص طور پر ڈاکٹر میک ٹیگارٹ (جو ہیگل کا متبع تھا) اور ادب فارسی کے مشہور مؤرخ اے جی براؤن، ڈاکٹر نکلسن، پروفیسر وارڈ قابل ذکر ہیں۔ اور پروفیسر نکلسن اقبال کی فارسی مثنوی "اسرار خودی" کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرا کے سارے یوروپ کو اقبال سے روشناس کرایا۔ یہاں اقبال نے بحیثیت طالب علم تین سال گزارے۔ بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی، اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے (پی ۔ ایچ ۔ ڈی) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ جرمنی سے واپس آکر لندن میں اسکول آف پولیٹیکل سائنس میں داخلہ لیا اور چھ ماہ تک لندن یونیورسٹی میں اپنے استاذ ڈاکٹر آرنلڈ کی جگہ پروفیسر کا عہدہ سنبھالا اور ۳۲ سال کی عمر میں اعلیٰ سے اعلیٰ علمی اعزازات اور ڈگریوں سے سرفراز ہو کر وطن آئے اور یہاں بیرسٹری شروع کی، اور لاہور کی گورنمنٹ کالج میں بحیثیت پروفیسر آف فلسفہ اٹھارہ ماہ خدمات انجام دئے۔

ہندوستان سے جو لوگ مزید علم کے لئے یورپ جاتے ہیں تو وہاں کی تہذیب اور ماحول انہیں اپنے راستہ میں اس طرح برگشتہ کر دیتا ہے کہ وہ انہیں لوگوں میں مل کر بعض اوقات اپنے دین سے بھی بے رغبتی برتنے لگتے ہیں لیکن اقبال کی شخصیت کچھ ایسی عجیب ہے کہ آپ نہ صرف اپنے دین پر پابند رہے بلکہ غیر ذبیحہ چیزوں کے کھانے سے بھی پرہیز کیا اور جب تک وہاں رہے نہایت اہتمام اور انہماک کے ساتھ اپنے مذہب پر قائم رہے۔ قرآن مجید کے تو آپ عاشق زار تھے آقائے نامدار حضور پرنور علیہ السلام سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ اسی بے لوث عقیدت و محبت کا نتیجہ تھا کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب کبھی حضور علیہ السلام کا نام مبارک سنتے تو بے اختیار رو پڑتے۔ اور کوئی جب حدیث رسول صلعم بیان کرتا تو آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔

قرآن مجید سن کر آپ کی عجیب سی حالت ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایکمرتبہ ایک عرب آپ سے ملنے آیا اور ساتھ ہی قرآن شریف سنانا شروع کر دیا تو آپ بے قرار ہو گئے اور بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

آپ اتنے بڑے علامہ اور فلسفی ہونے کے باوجود بالکل سادہ مزاج اور درویشانہ صفت کے حامل تھے۔ آپ کا در ہر خاص و عام کے لئے کھلا رہتا تھا۔ کم درجہ اور معمولی لوگوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک اور انداز گفتگو ایسے ہی ہوتا جسطرح کہ آپ ایک اعلیٰ افسر اور کسی معزز کے ساتھ پیش آتے تھے۔ فطرتاً آپ خوش طبع واقع تھے۔ امتیاز قوم وملت اور تعصب کی آلودگی سے آپ کا دامن ہمیشہ پاک رہا۔ آپ

مطمئن القلب اور توکل علی اللہ واقع ہوئے تھے۔ آپ کے اطمینانِ قلب کے متعلق ایک واقعہ ہے، حضرت اقبال کے خادم علی بخش کی زبانی ملاحظہ فرمائیں :-

"جب کانگڑہ کا زلزلہ آیا میں شیخ صاحب کے ہاں نوکر تھا۔ زلزلہ کیا تھا خدا کا قہر تھا۔ پہلے یکایک کواڑ کھڑکھڑانے لگے پھر اس طرح زمین ڈولی، جیسے دنیا بالکل تباہ ہونے کو ہے۔ میں گھبرایا گھبرایا پھرتا تھا۔ کبھی کوٹھے پر چڑھ جاتا کبھی نیچے آجاتا تھا۔ شہر میں بہت سے مکان گر پڑے تھے، ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا، اس وقت شیخ صاحب اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹے کتاب پڑھ رہے تھے اگر جس طرح لیٹے تھے لیٹے رہے۔ ذرا ہلے جلے تک نہیں۔ ہاں میری گھبراہٹ دیکھ کر ایک دفعہ کتاب پڑھتے پڑھتے سر اٹھایا اور کہنے لگے علی بخش بھاگے بھاگے نہ پھرو۔ سیڑھیوں میں کھڑے ہو جاؤ، یہ کہہ کر پھر اسی طرح کتاب پڑھنے لگے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ان دنوں انکا طریقہ یہ تھا کہ صبح اٹھ کر نماز اور نماز کے بعد اونچی آواز میں قرآن پڑھتے تھے، پھر ڈنڈ پیلتے۔ کبھی کبھی مگدر بھی ہلاتے تھے۔ اتنے میں کالج کا وقت ہو جاتا تھا۔ وہ کچھ کھائے پئے بغیر کالج چلے جاتے تھے اور دوپہر کو آکر کھانا کھاتے تھے۔"
(حیات اقبالؒ)

آپکے رفقاء اور احباب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے اخلاق وعادات بالکل درویشانہ تھے اور آپ کی زندگی، تکلفات سے پاک تھی۔ غذا بھی بہت سادہ اور معمولی تھی۔ آپ میں غیرت وخودداری کا جوہر بدرجۂ اتم موجود تھا۔ آپ کی داستان زندگی بہت سے واقعات سے پُر ہے کہ کئی دفعہ آپ کی خدمت میں ہزار ہا روپیوں کا چیک پیش کیا گیا لیکن آپ کی خودداری نے کبھی اسے گوارا نہ کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ تحریک شروع ہوئی کہ دو لاکھ روپیوں کی رقم جمع کرکے آپ کی خدمت میں پیش کی جائے تاکہ آپ فکر معاش سے بالکل بے نیاز اور مطمئن ہو جائیں۔ جوں ہی آپ کو اس کا علم ہوا تو فوراً سختی کے ساتھ اس تحریک کو ختم کرا دیا۔

آپ کو ایسے تحفوں کی ضرورت تو کیا تھی۔ اگر آپ چاہتے تو دنیا کی دولت آپ کے قدموں میں نچھاور کردی جاتی۔ ضرورت سے زیادہ کبھی آپ نے روپیہ نہیں کمایا، چنانچہ آپکے آخری دنوں میں شدید علالت کے باعث بیرسٹری جو آپ کا خاص ذریعہ آمدنی تھی چھوٹ گئی، اسی وقت سے نواب صاحب بھوپال نے آپ کے نام ماہوار وظیفہ مقرر کردیا۔ غرض اس وقت بھی آپکے مصاحبوں کی کوشش رہی کہ آپ مزید وظیفہ قبول کرلیں لیکن آپ نے ہر مرتبہ یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں، مجھے جو کچھ اعلیٰ حضرت نواب بھوپال نے مقرر کردیا ہے، وہی میرے لئے کافی ہے۔

ان ہی دنوں میں حیدرآباد میں یوم اقبال بڑی دھوم دھام اور شان وشوکت سے منایا گیا۔ اس موقع پر بھی ایک ہزار روپیوں کا چیک آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسی استغناء اور خودداری سے اسے

بھی واپس کر دیا۔

علامہ اقبالؒ سے یوں تو ملک کا ہر ایک گوشہ واقف تھا اسی زمانے میں ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ آپ کی ملاقات سے مشرف ہو۔ چنانچہ ابتدا ہی سے اہل دکن کو آپ سے ملاقات کرنے کا شدت سے اشتیاق تھا جس وقت جنوبی ہند کے رہنے والوں کو بالخصوص اہل میسور کو اس بات کا علم ہوا کہ آپ حکومت کی جانب سے بحیثیت مہمان تشریف لانے والے ہیں تو یہاں کے لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی، یہاں تک کہ بے حساب آدمی اپنے کاروبار چھوڑ کر آپ کے استقبال کے لئے چلے آئے۔

ماہِ اپریل ۱۹۲۹ء میں آپ شہر میسور تشریف لائے۔ حکومتِ میسور کی طرف سے بحیثیت مہمان شاہی آپ کو گیسٹ ہاؤز میں رکھا گیا اور اسی دن شام ٹون ہال میں جلسۂ عام منعقد ہوا۔ ہزارہا لوگ جلسہ گاہ میں شریک تھے، یہاں تک کہ ٹون ہال میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کئی ہزار آدمی باہر کھڑے رہے۔ جلسہ واڈیا صاحب مشہور پروفیسر آف فلاسفی میسور یونیورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جلسہ کا افتتاح اسلامی طرز کے مطابق تلاوتِ کلام پاک سے شروع ہوا جسکو عالیجناب ابو المظفر صاحب نے اپنی سریلی اور میٹھی آواز سے پڑھا سامعین بے حد محظوظ ہوئے۔ قرأت کے بعد نعت شریف علیجان صاحب نے پڑھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہنا پیغام مرا

قرأت و نعت شریف کے بعد عالیجناب محمد سیٹھ صاحب نے حضرت اقبالؒ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ اقبال کا ترانہ اسکو بھی جناب علیجان صاحب نے پڑھا۔ آپ نے ترانہ اقبال آلاتِ موسیقی کے ساتھ اس عمدگی سے سنایا گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جناب اقبالؒ نے اپنا یہ ترانہ اسی وقت کیلئے لکھا تھا۔

ترانۂ اقبال کے بعد فلسفۂ اسلام سے متعلق علامہ اقبال نے تقریر شروع کی۔ تمام باادب کھڑے اور بیٹھے آپ کی تقریر بغور سنتے رہے۔ آپ کی انتہ آفریں تقریر اور آپکے روح پرور کلمات سے خاص و عام کے ساتھ ساتھ جناب صدر واڈیا صاحب بھی بیحد محظوظ اور متاثر ہوئے اور اپنی تقریر میں کہا کہ میں یورپ کے کئی فلاسفر کے ساتھ رہا مگر علامہ اقبال کی تقریر میں جو فلسفیانہ انداز ہے میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اور کبھی ایسی تقریر نہیں سنی۔

دوسرے دن جلسہ ٹون ہال میں شام کے پانچ بجے شروع ہوا۔ اسلامی لباس زیب تن کئے ہوئے علامہ اقبالؒ نے ایک عالمانہ تقریر کی، جس سے سامعین بہت مسرور ہوئے، اور بے حد پسند فرمایا۔

تیسرے دن سری رنگ پٹن پہنچے، جب آپ سلطان شہید کے مزار پر پہنچے تو ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی اور بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے، گویا ایسا معلوم ہو رہا تھا، آپ سلطان سے ہمکلام ہیں۔

علامہ اقبالؒ میسور سے جانے کے بعد اپنی شہرہ آفاق کتاب جاوید نامہ لکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو لکھنے کا خیال یہیں سے پیدا ہوا۔ "پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری" کے نام سے اس کتاب میں علامہ اقبال نے چند شعر کہا ہے جن کی تشریح

پروفیسر سلیم چشتی نے اس طرح کی ہے :۔

"اے دریائے کاویری! مسلسل سفر سے شاید تو خستہ ہوگئی ہے، اس لئے کچھ دیر کے لئے آہستہ آہستہ چل"۔ (مطلب یہ ہے کہ چندے توقف کر اور میری بات سن) تو مجھے جیحون اور فرات سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ دکن (میسور اور کرناٹک) کے حق میں تیرا پانی بمنزلہ آبحیات ہے، تجھے یاد ہے کہ تیری آغوش میں کبھی ایک شہر آباد تھا (اشارہ ہے سرنگاپٹم کی طرف جو سلطان کا پایہ تخت تھا اور واقعی دریائے کاویری کی آغوش میں واقع تھا)

اے کاویری! تیری ساز میں زندگی پوشیدہ ہے۔ تجھے خبر ہے کہ میں کسی ہستی کا پیغام تیرے پاس لایا ہوں! سن! میں اس عظیم المرتبت انسان کا پیغام تجھے سنانے آیا ہوں جس کی سطوت اور شکوت کا تو نے مدتوں طواف کیا ہے جس نے اپنے حسن انتظام اور عادلانہ قوانین کی بدولت دکن کے مرحلوں کو بہشت بنا دیا تھا۔ جس نے اپنے خون سے دکن کی تاریخ کے صفحات سے اپنی تصویر بنائی۔ جس کی قبر ابھی لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ یعنی مسلمان آج تک اسکی زندگی سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور اسکی موت سے زندگی حاصل کر رہے ہیں۔ جس کے قول اور عمل میں مطابقت کلی پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ اسکی کیا تعریف کروں۔

آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب او بیدار بود

مذکورہ شعر کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ سلطان شہید بنی آدم کو علی العموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص یہ پیغام دیتے ہیں کہ اگر دنیا میں آئے ہو تو پھر چنگاری کی طرح زندگی مت بسر کرو کہ ادھر چمکی ادھر غائب ہوگئی بلکہ کسی خرمن کی تلاش کرو تاکہ اسے جلا کر اپنی چند روزہ زندگی کا مقصد حاصل کرسکو۔

حاصل کلام شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے اس سفر میں بہت کچھ لیا اور اہل عالم کو ایسے بہترین اور نایاب پیغامات پیش کئے جو تمام کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ میسور کے مخصوص مقامات کا سفر کرتے ہوئے اہل دکن کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن مالوف کا رخ کئے۔

وفات

آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ عنقریب مجھے اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، چنانچہ دسمبر ۱۹۳۷ء میں علامہ موصوف نے یہ رباعی کہی۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیم از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ این فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

۱۹۳۷ء میں آپ کا مزاج بالکل بگڑ گیا۔ ان ہی دنوں جب کہ آپ سخت بیمار تھے آپ کے بھائی صاحب تسلی دینے کے لئے دو چار کلمات کہنے ہی نہ پائے تھے کہ آپ نے یہ شعر کہا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

آخر کار ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ موصوف نے داعیٔ اجل

سبدِ گل

از
محمد اسد اللہ لطف سفر بنگلوری
زمرۂ ثانیہ متعلم دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

یہ خاموشی کہاں تک لذتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آشیانوں میں
(اقبالؒ)

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظِ ناداں
ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھ دی
(جگرؔ)

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں
(اکبر الہ آبادی)

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے رازِ سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں
(نامعلوم)

تو انقلاب کی آمد کا انتظار نہ کر
جو ہو سکے تو ایک انقلاب پیدا کر
(مجازؔ)

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے
(اقبالؒ)

یقین و عزمِ مسلسل میں رازِ ہستی ہے
قدم بڑھاؤ کہ وہم و گماں کا دور گیا
(نامعلوم)

یہ مانا چاند بھی ہے ان کے مانند
مگر چہرے پہ اس کے تل کہاں ہے
(جلال گڈپوی)

خوبصورت کے لئے خوبی سیرت ہے ضرور
گل وہی حسیں کہ ہو خوشبو بھی رنگت کے سوا
(نامعلوم)

خلوصِ دل سے نہ ہو تو فضول ہے سجدہ
ادب سے ہو تو خطا بھی ثواب ہو جائے
(نامعلوم)

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے
(اقبالؒ)

قدوۃ السالکین الحاج
الحافظ اعلیحضرت مولانا
ابوالفتح سلطان محی الدین
سید شاہ عبدالقادر قادری نقوی
نور اللہ مرقدہ

مشاہدات

از مولانا محمد عبداللہ سیفی ہادی شاہ نظامی
قادری چشتی اویسی دہلوی

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز سے دست حق پرست پر تقریباً بیس سال ہوئے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا۔ حضرت ممدوح کی ایک مشاہدی کرامت جو مجھ پر گذری ظاہر کر رہا ہوں۔

جن دنوں عالیجناب مولانا حضرت ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A ناظم دار العلوم لطیفیہ کا عقد مسعود آٹھ روز بعد ہونے والا تھا کہ حضرت ممدوح کی شادی خانہ آبادی کے چند رقعے بنگلور کے خصوصی مہمانوں کے لئے جناب مولانا محمد اسمٰعیل خان صاحب مائل مرحوم کے نام آئے تاکہ ان رقعوں کو تقسیم کردیں۔ میں ان دعوت ناموں کو پڑھا لیکن ناچیز راقم الحروف کا نام نہیں تھا یعنی میرے نام کا رقعہ نہیں نکلا۔ مائل صاحب مجھے دیکھتے تکتے رہ گئے۔ یہ دیکھ کر طبیعت پر اثر بھی ہوا اور دل غمگین بھی، اور یہ احساس بھی کہ دیکھو! اعلیحضرت نے چیدہ چیدہ مالداروں کو تو مدعو کیا اور مجھ جیسے غریب کو نہیں۔

اتفاق وقت کہ میں تین ماہ سے حضرت کو کوئی خط بھی نہیں لکھا تھا اور حاضری بھی نہیں ہوئی تھی۔ الغرض ۱ بجے پوسٹ آفس جا کر ایک کارڈ لیا اور اعلیحضرت کی خدمت میں لکھا:۔

" تعجب ہے آپ کے اس فیض شادی خانہ آبادی برادر عزیزی کی ہوا اور میں محروم رہوں ۴۰ رقعے دیکھے لیکن آپ نے مجھے فراموش کر دیا۔"

یہ خط لکھکر میں نے خود پوسٹ کیا اور اپنی روم واپس چلا آیا۔ جب دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اعلیحضرت کا لکھا ہوا خط اور شادی کا رقعہ موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ ابھی ابھی پوسٹ مین ڈال گیا۔ حضرت قبلہ مرحوم پہ خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں نازل ہوں خط میں لکھا تھا۔

" جناب سیفی صاحب۔ سلام علیکم
آپ کا خط ملا حالات سے آگاہی ہوئی۔ آپ دوسروں سے ایکدن پہلے تشریف لائیے، آپ کو اوروں سے ایکدن پہلے پہنچنا چاہیے۔ یہ میری تاکید ہے۔"

سبحان اللہ! یا اللہ ایں چہ بوالعجبی ست' میں حیران تھا کہ تین ماہ سے نہ خط لکھا نہ حاضر ہوا، نہ یہ علم کہ حضرت کے گھر میں اتنی بڑی شادی ہونے والی ہے۔ آج علم ہونے کے بعد ابھی ابھی خط لکھا اور لیٹر بکس میں ڈال آیا۔ کیا ماجرا ہے کہ حضرت یہ لکھ رہے ہیں کہ "سیفی صاحب آپ کا خط ملا حالات سے آگاہی ہوئی، آپ اوروں سے ایکدن پہلے آئیے۔" سچ کہا علامہ اقبال نے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدلجاتی ہیں تقدیریں

اعلیحضرت قبلہ کے حکم پر شادی خانہ آبادی میں شرکت کے لئے ویلور چلا آیا۔ نکاح کے موقعہ پر مسجد مکان حضرت قطب ویلور میں جہاں محفل عقد منعقد ہوی سینکڑوں آدمی جمع تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی نظر آئے جنہوں نے شہر گڈیاتم میں ان بزرگوں کی شکایت کی تھی۔ اسوقت جو مجھے کہنا تھا انہیں کہہ دیا تھا' لیکن اس موقع پر ان کو دیکھکر بہت تعجب ہُوا۔ ان سے ملاقات کرنے کے بعد حیرت سے دریافت کیا کہ آپ لوگ یہاں کیسے' وہ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں اللہ کے لئے معاف کر دیجئے۔ یہ لوگ بھی شادی میں مدعو تھے شادی میں موجود رہے اور طعام ماحضر سے فارغ ہوکر روانہ ہوے۔

حضرات! ایماندارانہ بات یہ ہے کہ جب کبھی مجھ ناچیز کو کوئی مشکل درپیش ہُوی میرا پچیس۲۵ سالہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ میں نے فوراً یوں دُعا مانگی :۔

"الہٰی بوسیلہ حضرت قطبؒ ویلور متوفی المدینہ اعنی بروحہ یا اللہ اے اللہ میں تیری بارگاہِ صمدیت میں حضرت قبلہ قطبؒ ویلور قدس سرہٗ العزیز کے وسیلہ سے دست بدُعا ہوتا ہوں، کہ مجھے اس موجودہ پریشانی و کلفت سے دُور فرما۔"

الحمدللہ وکفیٰ باللہ شھیدا خدا نے میری تکلیف اسی اور اسی وقت دُور فرمادی۔

گو میں سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا آزاد سبحانی ربانی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کیا ہوں۔ اور دوسری خلافت مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل ہے سلسلۂ چشتی نظامی کی یہ خلافت بھی کلی ہے لیکن بایں ہمہ میں حاشا و کلاّ، کلاّ و حاشا اعتراف کرتا ہوں اور دل کی گہرائی سے لکھ رہا ہوں اور مانتا ہوں سرِنیاز خم کرتا ہوں کہ جو رنگ ڈھنگ بے لوث و بے غرض حضرت مکان کے سجادگان و مشائخ عظام میں دیکھا' ہندو افغانستان' پنجاب و سندھ گجرات و کاٹھیاواڑ' بہار و یوپی کہیں نہیں پایا۔

یہاں مساوات ایسی برتی جاتی ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ہر امیر و غریب تنگدست و محتاج' ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے اور الحمدللہ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضرت مکان میرا اپنا ہے۔ سجادہ نشین میرے ہیں۔ ان کے برادران عزیز گویا کہ میرے اپنے ہیں۔ اللہ اکبر یہاں دریائے فیض و کرم موجود' لیکن طلبِ صادق اور جستجو کی ضرورت ہے۔ تمام سے پُرخلوص گذارش ہے کہ سلسلۂ قادریہ کا شجرہ سجادہ نشین حضرت مکان سے حاصل کریں اور معمولات پر چلیں' پھر دیکھیں دین و دنیا دونوں یہاں موجود ہیں کہ نہیں۔

مولانا عبد الباری جاوی علیہ الرحمۃ

از
ادارہ

آپکی ہر دلعزیز شخصیت سے کون واقف نہیں۔ شہر وانمباڑی۔ آمبور ویلور اور بنگلور وغیرہ میں آپکے جاننے والے اور پہچاننے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ کبھی آپ تاجر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے، تو کبھی آپ کو دیکھنے والوں نے مسندِ درس و تدریس پر متمکن پایا۔ اخیر تک آپ اسی مقدس پیشے کو اپنائے رہے۔

آپکی پیدائش ۱۹۱۰ء میں شہر وانمباڑی میں ہوئی اور مدرسہ معدن العلوم وانمباڑی سے فارغ ہوئے مظہر العلوم ہائی اسکول آمبور اور گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول ویلور میں آپنے مدرسی کی خدمت انجام دی۔ پھر آپنے کپڑے کی تجارت شروع کی۔ دوسری تجارت کے سلسلہ میں آپ کا قیام عرب میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد ان تمام چیزوں کو ترک کرتے ہوئے مدرسۂ جمالیہ پرمبور مدراس میں درس و تدریس کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ آپ ایک زبردست عالم تھے عربی زبان پر آپ کو اچھا خاصا عبور حاصل تھا۔ ملایا۔ تھائی لینڈ وغیرہ کے طلباء جو اُردو و ٹمل وغیرہ سے واقفیت نہیں رکھتے آپ انہیں عربی زبان میں اسباق کی فہمائش کراتے۔ آپ کو ہمیشہ طلباء کی تعلیم و تربیت کا بے حد خیال رہتا تھا۔

بزرگان مکان حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز سے آپ کو دلی عقیدت تھی۔ یہ عقیدت و محبت آپنے ورثہ میں پائی، کیونکہ آپکے والد ماجد بھی اس خانقاہِ عالیہ قطبیہ کے معتقد تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں ابھی بچہ تھا۔ ۱۳۳۸ھ میں حضرت مسکی قدس سرہ العزیز حج بیت اللہ شریف کو جا رہے تھے، تو ارکونم میں میرے والد بزرگوار آپ کو وداع کرنے کے لئے اسٹیشن پر تشریف لائے تھے۔ اسوقت میں بھی والد صاحب کے ہمراہ تھا۔ اسی محبت و عقیدت کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۵۸ء میں قدوۃ السالکین اعلیحضرت مولانا مولوی الحاج الحافظ ابوالفتح سلطان محی الدین شاہ عبد القادر قادری نقوی ویلوری قدس سرہ العزیز کے انتقال پُرملال کے موقعہ پر عربی میں ایک فصیح و بلیغ مرثیہ لکھا تھا جو گذشتہ سال کے اللطیف میں شائع ہو چکا ہے۔

تقریباً بارہ ۱۲ سال تک آپ دار العلوم لطیفیہ حضرت قطبؒ ویلور جنکاں کے سالانہ امتحان میں بحیثیتِ ممتحن اعزازی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور کئی بار آپنے یہاں کے طلباء سے خطاب فرمایا۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ عربی اور اُردو زبان میں آپکا کلام قابل دید ہے۔ اس سال حج بیت اللہ شریف جانے سے پیشتر آپنے ایک سلام بہ بارگاہِ خیر الانامؐ لکھا۔ نہایت ہی عمدہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ اس سے آپکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت و عقیدت مترشح ہوتی ہے۔ آپنے زندگی میں کئی ایک حج ادا کئے ہیں۔ اس سال بھی جب آپ حج بیت اللہ شریف کو جا رہے تھے کہ ۱۶ جنوری ۱۹۷۲ء کو مقام ظہران میں انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ظہران ہی میں تدفین ہوئی اور یہ علم و فضل کا انمول جوہر ہمیشہ کیلئے عالم غربت میں ہم سے جُدا ہو گیا۔ خدا جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام بہ بارگاہِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

الحاج مولانا مولوی محمد عبد الباری حاوی معدنی وانمباڑی

نازشِ انس و جاں سلام علیک ۔ باعثِ ایں و آں سلام علیک

سرِّ کون و مکاں سلام علیک ۔ آیۂ کُن فکاں سلام علیک

شافعِ دو جہاں سلام علیک ۔ رحمتِ جاوداں سلام علیک

والیِ بیکساں سلام علیک ۔ احمدِ حرزِ جاں سلام علیک

محورِ قدرتِ خداوندی ۔ مظہرِ جانِ جاں سلام علیک

خطِ آغازِ نقشۂ کونین ۔ زبدۂ مرسلاں سلام علیک

ثمرۂ اولین نخلِ وجود ۔ ختمِ پیغمبراں سلام علیک

نسخۂ انتخابِ بزمِ رسل ۔ شاہدِ جانِ جاں سلام علیک

نُطق افزا ہے مدحت اے حاوی

کہہ رہی ہے زباں سلام علیک

پچاس سال پہلے

از
مولانا الحاج حکیم
سید غوث محی الدین صاحب
حکیم منزل میسور

یہ مُسلّم بات ہے کہ وقت اور طوفان کسی چیز کے پابند نہیں ہُوا کرتے اور نہ ہی کسی کے لئے رُکتے ہیں۔ طوفان کی آمد گاہے ماہے ہوتی ہے لیکن وقت اسکی رفتار دھیمی سہی یا تیز، بہرکیف رواں دَواں رہتا ہے۔ وقت ہمیشہ اپنے پیچھے بہت سارے واقعات چھوڑے جاتا ہے۔ جب کبھی وہ پردۂ ذہن پر مچلنے لگتے ہیں تو طبیعت سے تھکن کا احساس ختم ہو جاتا ہے، ایک نئی زندگی اور توانائی محسوس ہوتی ہے بشرطیکہ ماضی سنہرا ہو اور نفس کے ہاتھوں اس کا دامن داغدار نہ بنا ہو۔

آج سے نصف صدی قبل قدوۃ السالکین اعلیٰحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری کی سجادہ نشین مکان حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ العزیز کی دورِ سجادگی وسرپرستی میں دارالعلوم لطیفیہ میں داخل ہُوا۔ اور چار سال تک فاضل اساتذہ سے استفادہ کرتا رہا۔ اس قلیل مدت میں مجھے یہاں کے بزرگوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان بزرگوں کے عفو و درگذر اور مکارم اخلاق کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ خصوصاً طلبہ کے ساتھ مشفقانہ رویہ بے مثال تھا۔ والدین سے زیادہ انہیں مشفق، مہربان پایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی اور بزرگوں کی فیض صحبت کا اثر

اور انکی دُعاؤں کی برکت ہے۔ کہ آج شہر میسور میں کامیابی کے ساتھ اپنا مطب چلا رہا ہوں۔

بزرگانِ حضرت مکان سے ہمارے خاندان کے تعلقات ڈیڑھ سو سال سے چلے آرہے ہیں۔ انہیں بزرگوں نے مجھے انسان بنایا۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے والدین پرورش ضرور کرتے ہیں لیکن اساتذہ کے حقوق ان سے بڑھکر ہوا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں باعزت زندگی گذارنے کے قابل بناتے ہیں۔ حضرت مکان میں جہاں اساتذۂ کرام دیگر علوم و فنون سے آشنا کرتے ہیں، بزرگانِ مکان کی فیض صحبت طلباء کی رُوحانیت کو اُجاگر کرتی ہے۔ مجھے مختلف بیرونی ممالک کا دَورہ کرنے کا بھی اتفاق ہُوا لیکن کہیں روحانیت کا نام نہیں۔ جو سکون اور طمانیت مجھے حضرت مکان میں حاصل ہُوا کہیں اور میسّر نہ آیا۔

بزرگانِ مکان کی روحانی فیوضات و برکات کی ایک مثال بیان کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے سنہ ۱۹۱۶ء کا واقعہ ہے مولانا سکندر الدین صاحب عربی پروفیسر میسور یونیورسٹی اعلیٰحضرت قبلہ سے ملاقات کی غرض سے ویلور تشریف لائے اور رات یہیں قیام فرمایا۔ دارالعلوم لطیفیہ کے صدر مدرس

الحاج مولانا محی الدین حسین صاحب چیدہ سے گفت وشنید میں
مشغول ہوگئے۔ درمیان گفتگو چائے پینے کا شوق ہوا تو
میں ہوٹل گیا اور آرڈر دیا۔ ایک ملیباری چائے لے آیا۔
صرف پاؤ کپ چائے چیدہ صاحب نے اور پونے دو کپ
چائے پروفیسر صاحب نے نوش کی۔ کچھ دیر بعد مجلس
برخاست ہوگئی۔ مولوی صاحب اپنے مکان چلے گئے جو مسجد
مکان حضرت قطب ویلور کے پیچھے تھا۔ پروفیسر صاحب مسجد ہی میں سو
گئے۔ گھر میں چیدہ صاحب کو دست آنے لگے اور حالت دگرگوں
ہونے لگی۔ تمام طلباء آپ کی تیمارداری میں مشغول ہوگئے،
سر محمد حبیب اللہ صاحب جو اس وقت چیرمین تھے ڈاکٹر کو
بلا لائے۔ مولوی صاحب پریشان تھے کہ میں نے تو صرف پاؤ کپ
چائے نوش کی اور یہ حال ہوا۔ سکندر صاحب نے تو پونے
دو کپ چائے پی تھی، ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔ صبح چار یا
ساڑھے چار بجے وہاں سے فارغ ہوکر جب میں صحن مسجد میں
آیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پروفیسر سکندر الدین
صاحب مادرزاد ننگے اٹھتے بیٹھتے 'یا حافظ' 'یا حافظ' کا
ورد فرمارہے ہیں۔ اس حیرت ناک واقعہ کو دیکھتے ہی اسی وقت
اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی کو اطلاع دیا۔ آپ نے پروفیسر صاحب
کے جسم کو ڈھانپنے کے لئے ایک چادر دی اور فرمایا کہ انہیں
کمرے میں لاکر لٹا دو۔ دو ملیباری طالب العلم پروفیسر صاحب
کو کمرے میں لاکر لٹا دئے۔ صبح کی اذاں کے بعد جناب کو
ہوش آیا۔ اسی وقت واقعہ کی تحقیق کی گئی تو معلوم
ہوا کہ ملیباری چائے میں دھتورے کے بیج ملا دیا تھا،
جسکی وجہ سے یہ حادثہ پیش آیا۔

جناب پروفیسر سکندر الدین صاحب نے دوسرے دن بعد
نماز جمعہ رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جیسے ہی میں
پیاس کی شدت سے بیقرار ہوکر حوض میں گرنے کے لئے جاتا،
ایک سفید پوش بزرگ درگاہ سے تشریف لاتے ہاتھ پکڑ کر
مسجد میں لاکے بٹھادیتے اور فرماتے کہ 'یا حافظ بول' ایسا
کئی مرتبہ ہوا۔ ہر بار وہ بزرگ آتے اور مجھ کو گرنے سے
بچالیتے اور یا حافظ کہنے کی تاکید فرماتے۔ یا حافظ کہنے سے
میری پریشانی دور ہوتی گئی۔ اگر وہ سفید پوش بزرگ
مجھے نہ پکڑتے تو میری زندگی ختم ہوگئی ہوتی۔

ناظرین! یہ واقعہ رونما ہوکر نصف صدی سے
زائد عرصہ بیت گیا ہے لیکن آج بھی وہ میرے ذہن میں بالکل
تازہ ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ درگاہ
شریف میں آرام فرما بزرگ زندہ ہیں۔ اس کے لئے
دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

جو لوگ صاحب بصیرت ہیں یہاں سے
بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے دامن کو گوہر
مقصود سے بھر لیتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور تصوف

از مولوی ٹی کے نذیر احمد تونسوی لطیفی
ادیب فاضل
مدرس ابو بیورہ
متعلم
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

اسلام کے اعلیٰ فیوضات میں سے ایک خاص فیض یہ بھی ہے کہ اس نے امتِ مسلمہ کو علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کی طرف رغبت دلائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم باطنہ نے اسلام کے متوالوں کو نشۂ تصوف سے سرشار کیا۔ تصوف اور صوفی کے معانی و مطالب اور اس کے اہم ابحاث کو استفادۂ ناظرین کی خاطر بزم اللطیف میں پیش کر رہا ہوں۔

لفظ تصوف و صوفی صوفی اور تصوف کے ماخذ و اساس کے متعلق ہر ایک نے اپنی خیال آرائی کی ہے۔ کچھ لوگ اسے صفا سے مشتق جانتے ہیں کسی کے نزدیک یہ صف سے نکلا اور بعض حضرات اسکو اصحابِ صفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں یعنی وہ حضرات جو ابتدائے اسلام میں جہد و مجاہدہ کرتے تھے، اور غزوۂ جنگ سے الگ رہ کر ہمہ وقت خدا کی یاد میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت ان کو مجاہدوں ہی میں شمار کر کے حصہ دیا کرتے تھے، اس لئے کہ ان کی یہ عادت تھی کہ نفس کے ساتھ مجاہدہ کریں، اور اکثر یہ اون کی کمبل اوڑھا کرتے تھے۔ علامہ ابن خلدون نے تصوف پر مدلل بحث کی اور لکھا ہے کہ لفظ تصوّف کا مادہ صوف ہے جسکے معنی اون کے آتے ہیں اور تصوف کا معنی اون پہننا ہے چونکہ انبیاء اور وہ حضرات جو خدا کی یاد میں محو رہتے تھے عموماً اونی کمبل اوڑھا کرتے تھے۔

تصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا لیکن اس دور میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔ بلکہ عصرِ ثانی میں جو حضرات علوم ظاہری و باطنی کے ساتھ تبلیغ دین میں مشغول رہے، ان بزرگوں کو صوفیائے کرام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اس قول سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ اصل تصوّف دورِ رسالت میں موجود تھا۔ آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، علمنا هذا مشيد بالكتاب و السنة

پہلی صدی کے اواخر میں اسلامی نظامِ زندگی کا شیرازہ چونکہ بکھر چکا تھا خصوصاً کربلا کے ہوش ربا منظر نے قصرِ اسلام کی بنیادی خشت کو ہلا دیا تھا اور نیرنگیٔ زمانہ نے عوام کے دلوں میں نمایاں فرق پیدا کر دیا۔ اور جب یزید کی بیعت کی دعوت منظرِ عام پر آئی تو تابعین و بزرگانِ ملت باہمی اختلاف و جنگ و جدل سے الگ ہو کر پہاڑوں اور قریوں میں جا کر گوشہ نشین ہوئے۔ یہ وہی حضرات ہیں جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیم سے قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے سنت کی پیروی اور مجاہدہ و ریاضت

کیا کرتے تھے اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ انہیں حضرات کے متعلق یہ آیت کریمہ صادق آتی ہے فلولا نفر من کل فرقۃ منہ طائفۃ لیتفقھوا فے الدین یعنی یہ کیوں نہ کیا جائے کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جائیں تاکہ علم دین سیکھیں اور سمجھ پیدا کریں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم یعنی بہترین دور میرا ہے پھر صحابہ کا اور اسکے بعد تابعین کا۔

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز اپنی گراں مایہ کتاب جواھر الحقائق کے ابتدائی صفحوں میں رقمطراز ہیں التصوف ھو ان یمیتك الحق عنك و یحییك بہ یعنی صوفی وہ ہے جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہو جائے۔ وہ حضرات جو خود شناسی کے بعد خدا شناسی حاصل کرتے ہیں، مولانا موصوف ایک اور مقام پر تحریر فرمائے ہیں طائفۃ انما سمیۃ الصوفیۃ لصفاء اسرارھم وقال بعضھم لصفاء معاملتھم لانھم فی الصف الاول بین ید اللہ تع گروہ جو صوفیاء کے نام سے موسوم ہے جو اپنے صفائے باطنی کی وجہ سے اس اسم سے موسوم ہو گیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ اپنے صفائی معاملہ کی وجہ سے۔ اس لئے کہ یہ حضرات باین سبب خدائے تعالےٰ کے نزدیک صفِ اول میں ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہ تصوف کے معنی یہ ہیں کہ باری تعالیٰ تیری خودی کو تجھ سے زائل کر کے تجھے فنا کردے اور خود سے تجھے باقی کر دے۔ جب حضرت عبداللہ بن مبارک رضؓ نے آپ سے سوال کیا کہ صوفی کون ہے تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ صوفی وہ ہے جس کے چہرہ پر حیا، آنکھیں پرنم اور قلب میں صفائی، ہر وقت زبان پر ذکر الٰہی اور اس کے وعدہ میں وفا، کلام میں شفا ہو۔ نیز حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "اہل تصوف وہ حضرات ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کو تمام چیزوں پر ترجیح دی ہو۔ جس کا نتیجہ خدائے بزرگ نے ان کو تمام چیزوں پر فوقیت بخشی ہو۔

تصوف کا دارومدار کتاب وسنت پر ہے کیونکہ شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے تعلق رکھے وہ تصوف ہے۔ تصوف اور شریعت کے درمیان تعلق و رشتہ کی کی نوعیت وہی ہو گی جو جسم اور روح میں ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تصوف دین و شریعت کے منافی نہیں بلکہ شریعت کے ایک جز کا نام ہے اور اس سے تصوف کی ضرورت ثابت ہوی۔

صوفیائے کرام کے پاس جو اساس طریقت ہے، مثلاً زہد، تقویٰ، صدق و اخلاص، خوف و رجا، ورع بالتفکر اور مراقبہ ہے جس کی ترغیب میں خود قرآن مجید اور احادیث نبوی شاہد ہیں گویا شریعت کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا نام صوفی ہے جس کو مومن کے نام سے قرآن کریم یاد کیا ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا من

تفقه ولم تصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن جمع بینهما فقد تحقق یعنی وہ شخص فاسق ہو گیا جس نے صرف فقہ پر اکتفا کر کے تصوف کو چھوڑا اور وہ زندیق ہو گیا جو صرف تصوف پر اکتفا کرتے ہوئے فقہ کو چھوڑا اور وہ شخص حقیقت سے آشنا ہوا جو دونوں کو جمع کیا"۔ اکثر اہل ظاہر بہ سبب پابندئ ہوا و ہوس کے ان دلائل سے غافل ہیں۔ اس لئے اختلاف کرتے ہیں، کہ تصوف ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق نہ شریعت سے ہے، اور نہ اسلام سے، بلکہ اسکی اصلیت رہبانیت یا بدھ مذہب یا صرف ویدانیت یا محض وحدانیت پر مبنی ہے، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن شریف و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رہبانیت کو اسلام میں دخل نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلاف کے اقوال سے خوب پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا تعلق تصوف سے اسی طرح ہے جس طرح فقہ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن شاذلی نے فرمایا انہا طریقۃ جمعت اخلاق المرسلین۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم الباطن ھو من اسرار اللہ تعالیٰ یقذفہ فی قلب من یشاء من عبادہ علم باطن اسرار الٰہی میں سے ایک راز ہے جس کو باری تعالیٰ جس کے قلب میں چاہے ڈال دیتا ہے۔ علامہ شیرازی علیہ الرحمہ نے یہ بات واضح کی ہے کہ مشائخ صوفیا حقیقت، شریعت، طریقت کے عامل ہیں جو جملہ میراث انبیاء ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ یہ قول پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ نے فرمایا علمنا ھذا مشید بالکتاب والسنۃ کہ ہمارا یہ علم کتاب و سنّت سے مستند ہے۔ اسی پر شیخ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواھر" میں لکھتے ہیں اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان حقیقۃ الصوفی فقھیۃ عمل بعلمہ لا لغیرہ فاورثہ اللہ تعالیٰ بعلمہ و الاطلاع علیٰ دقائق الشریعۃ واسرارھا۔ یعنی جان تو خدا تجھ پر رحم کرے، صوفی درحقیقت فقیہہ ہوتا جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ پس اللہ اس کو اپنے علم کا وارث بناتا ہے اور دقائق شریعت اور اس کے اسرار سے اطلاع دیتا ہے۔

علاوہ ازیں "مرج البحرین" میں شیخ عبدالحق محدث دہلوئ فرماتے ہیں " یہ گمان کرنا کہ تصوف اہل سنۃ وجماعت کے مذہب کے مخالف ہے، یا صوفیاء کا ایک خاص فرقہ ہے اور فرقہ ناجیہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا ہے، حاشا وکلا اس ملت اقوام کا خاصہ وخلاصہ محققین صوفیاء ہی ہیں جنہوں نے انوار سنّت سے اقتباس کیا، اور سر حقیقت کو منکشف کیا" جس پر ضیاء الدین سہروردی فرماتے ہیں، جو علماء متابعت رسول صلعم میں مجاہدہ کرتے ہیں اور صحابہ کی اقتداء کرتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ ایک اصحاب حدیث، دوسرا اصحاب فقہ اور تیسرا صوفیہ مذکورہ بالا اقوال و دلائل سے یہ بات واضح ہو چکی کہ تصوف شریعت سے الگ نہیں بلکہ ایک لازم شئ

ہے، جس کا جاننا ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔

علمائے ظاہر کو چاہیئے کہ اس قسم کے خیالات اور تنقیدات سے پرہیز کریں جو صوفیائے کرام میں خصوصاً شیخ محمد ابن عربی اور غزالی رحمہما اللہ پر کئے گئے ہیں۔ کیونکہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی کے اختتام تک اسلامی معاشرہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جو صوفیاء کے نام سے موسوم تھا۔ پہلے شخص جو صوفی کے نام سے موسوم ہوئے وہ ابوالہاشم ہیں جو سفیان ثوریؒ کے ہمعصر تھے۔ صوفی کے لئے لازم ہے کہ معرفت الٰہی بطریقۂ سنت حاصل کرے، چنانچہ حدیث میں ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا گویا انسان خودی سے خدا تک پہنچتا ہے۔ گویا خود کو جاننا خدا شناسی کی علامت ہے۔ جو اصل زندگی ہے۔ شاعر اسلام علامہ اقبالؒ اپنی گراں مایہ کتاب "جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں ؎

در مقامِ خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

گویا معرفت پہلے اپنی ذات سے شروع ہو کر واجب الوجود تک پہنچ جاتی ہے اور جب بندہ مقام من عرف پر فائز ہو کر معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے اور صفاتِ بشری کو فنا کر کے صفاتِ الٰہی کو اپنا لیتا ہے تو بندہ خدا کا اور خدا بندے کا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا، وما زال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہ ورجلہ التی یمشی بھا

یعنی جب بندہ بذریعۂ نوافل مجھ سے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہی فنائیت کی آخری منزل ہے، چنانچہ آیت کریمہ شاہد ہے ان الذین آمنوا وعملو الصالحات یجعل بہ الرحمان ودًا اسکی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتے ہیں تو جبرئیل سے کہتے ہیں کہ اے جبرئیل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، ایک اور حدیث ہے، من احب لقاء اللہ احب لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ لقاءہ (بخاری شریف) یعنی جو حق تعالیٰ کی لقا کو محبوب رکھے حق تعالیٰ بھی اس سے لقا کو محبوب رکھتے ہیں، اور جو شخص حق تعالیٰ کی لقا کو مکروہ رکھے حق تعالیٰ بھی اس کی لقا کو مکروہ رکھتے ہیں۔ سورۂ کہف میں ہے کہ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا، ان آیات واحادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بندہ اپنے اعمال باطنی سے حق تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ صفاتِ الٰہی صفاتِ بشریت پر بذریعہ محبت غالب آجائے۔ اس مقام پر ہر چیز بندہ کے اختیار میں ہو جاتی ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی کا نام محو ہے۔ جو بندہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہو جاتا ہے، بعض سادہ لوح حضرات ان اصطلاحات کے نہ سمجھنے سے غلطی کر جاتے ہیں اور صوفیاء اور تصوف کے

منکر ہو جاتے ہیں۔

کاش اگر صوفیاء کے اصطلاحات مثلاً محو، جمع، تفرقہ جمع الجمع وغیرہ کو بخوبی پہچان لیتے تو یہ غلطی نہ کرتے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیائے اسلام سے اس فرق کو مٹا دیا کہ شریعت و طریقت اسلام سے کوئی جدا گانہ چیز نہیں،

علم تصوف کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں حضرت حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمہما اللہ کا نام سرفہرست آجاتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جو فلسفہ سے ہٹ کر بندہ کو خدا تک پہنچا دیتا ہے، جو اصل زندگی ہے۔

نہ کتابوں سے نہ واعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
صد سالہ دور چرخ ہے، ساقی کا ایک دور
نسبت نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی،

پس اس مادی دنیا میں جو سائنس کا دور ہے ضروری ہے کہ تمام خیالات کو دل و دماغ سے خالی کر کے واجب الوجود کی طرف متوجہ ہو جائیں اور حقیقی معنوں میں مومن اور وراثت کا حقدار بنیں، کیونکہ زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ خدا شناسی کو حاصل کرے۔

لیکن یہ اسی وقت ہوگا جبکہ قرب الٰہی کے رموز سے آشنا ہو جائے، خودی کو فنا کر کے خدا کو حاصل کر لے۔

بقیہ صـ ۱۱۴ (خرقہ پوشوں)

... سے بے حد متاثر ہوئے اور آخر اس ایک منظر نے ان کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی" (ماخوذ)

اسکے بعد مولانا موصوف کی زندگی میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ آپ حضرت کے گرویدہ ہوگئے اور حضرت کے دستِ حق پرست پہ شرفِ بعیت سے مشرف ہوئے جسکی وضاحت اس شعر سے ہوتی ہے ؎

مولوی ہرگز نہ شد ملائے روم   تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

بہرکیف بندگانِ دین نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ چونکہ اولیائے کرام شہرت پسند نہیں ہوتے بلکہ ان حضرات کی طرزِ زندگی بالکل سادہ اور معمولی ہوتی ہے۔ اسی لئے اہلِ دنیا ان اولیاء عظام کی حقیقت سے نابلد ہیں۔ واقعاتِ صالحین کو سپردِ قلم کرنے کا یہی مقصد ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کو پہچاننے و سمجھنے کی کوشش اور خود کو اس سانچہ میں ڈھالنے کی پوری پوری سعی کریں (ع)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنے آستینوں میں

حافظ کی نصیحتیں

ازمولوی حافظ محمد کمال الدین عارف ؔ بجبوری،
لطیفی (ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی) مولوی فاضل
سال اول دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلوری قدس سرہ

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور آپ کی ادبی خدمات محتاج تعارف نہیں آپ کی بلند پایہ تصنیف "دیوان حافظؒ" جو اکثر خاص و عام میں مقبول اور چاردانگ عالم میں مشہور ہے۔ ان میں چند اشعار جو پند و نصائح سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت سے معمور ہیں ہدیہ "اللطیف" ہیں۔

۱ؔ

تا صد ہزار خار نمی روید از زمیں
از گلبنی گلے بہ گلستاں نمی رسد

گلستاں میں پھول کھلنے سے پہلے ہزاروں کانٹے اُگتے ہیں اس کے بعد کہیں ایک پھول زینتِ چمن بنتا ہے۔

۲ؔ کلیدِ گنجِ سعادت قبولِ اہلِ دل است
مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند

اللہ والوں کے دلوں کو رضامند و خوش کرنا سعادتمندی کی چابی ہے۔ یہ ایسا نکتہ ہے جس میں شک و شبہ کی قطعًا گنجائش نہیں۔

۳ؔ

چناں زندگانی کن اندر جہاں
چوں مُردہ باشی نگویند مُرد

دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو، کہ مرنے کے بعد بھی لوگ مردہ نہ کہیں، بلکہ ہمیشہ نیکنامی سے نام لیا جاتا رہے۔

۴ؔ کسے کو فاضل است امروز در دہر
نمی بیند ز غم یکدم رہائی

جو شخص کہ آج اپنے وقت کا عقلمند ہے اس کے باوجود وہ رنج و الم سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ کیونکہ اسے ہمیشہ اپنی قوم یا اپنے خویش و اقارب کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔

۵ؔ بنیادِ ہستی تو چو زیر و زبر شوی
در دل مدار ہیچ کہ زیر و زبر شوی

اگر تیری زندگی کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جائیں، مگر اپنے دل میں کسی غلط چیز کو جگہ نہ دے کہ کہیں تو خود متزلزل نہ ہو جائے۔

۶ؔ مقام عیش میسر نمی شود بے رنج
بلا بحکم بلیٰ بستہ اند روزِ الست

بغیر مشقت کے آرام میسر نہیں ہوتا کیونکہ روزِ میثاق ہی میں جب الستُ بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا (جس میں الوہیت کا اقرار تھا) اسی کے ساتھ ابتلاء و امتحان وابستہ ہو گیا۔

۷ؔ حافظ تو ختم کن کہ ہُنر خود عیاں شود
با مدعی نزاع و محابا چہ حاجت است

حافظ تو اپنے کلام کو ختم کر، مزید وضاحت کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہُنر خود بخود ظاہر ہو جائیگا اس معاملے میں مدعی سے لڑنے جھگڑنے یا پھر رعایت کرنے کی ضرورت نہیں حق ہمیشہ ظاہر رہا

۴۸۶/۹۲

دُعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟

از مولوی سید مصطفیٰ قادری
ناظم ولطیفی
متعلم دار العلوم لطیفیہ
بمکان حضرت قطب ویلور

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
درِ کلیم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

دُعا کا تصور ہر قوم و مذہب میں پایا جاتا ہے، مگر ہر ایک کا طریقۂ کار جداگانہ ہے۔ بندۂ مسلم اپنی گردن اگر کہیں خم کرتا ہے تو وہ مالکِ دوجہاں اور خالق ارض و سما کی چوکھٹ پر، اسی سے اپنی مدعا کا اظہار کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے مالک نے اسے اجازت عطا کر دی ہے کہ ادعونی استجب لکم یعنی تم مجھے پکارو، میں تمہیں جواب دوں گا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے اجیب دعوۃ الداع یعنی میں بلانے والے کا جواب دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ اپنے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کے متعلق ارشاد فرمایا ہے من لم یسئل اللہ یغضب علیہ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا تو خدا اس پر خفا ہوتا ہے (مشکوٰۃ) تمام عبادتوں میں دُعا کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ میرے استاد جناب مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ، فلسفہ دعا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ایک خصوصیت خاص دُعا کو اور عبادات سے زیادہ ہے، وہ یہ کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لئے ہوں تو عبادت نہیں ہوتی۔ مگر دُعا ایک ایسی چیز ہے کہ یہ اگر دنیا کے لئے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے۔

مثلاً مال مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق ہوگا۔ بخلاف اور عبادات کے اگر ان میں دنیوی حاجت مطلوب ہو تو ثواب نہیں ملتا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ طبیب اگر کسی کو رائے دے کہ تم آج کے دن کھانا نہ کھاؤ۔ اگر کھاؤ گے تو ضرر دیگا۔ اس نے کہا لاؤ آج روزہ ہی رکھ لیں۔ پس روزہ رکھ لیا تو اس کو خالص روزہ کا ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس کو در اصل روزہ رکھنا مقصود نہیں تھا۔ اگر ایسا ہی کوئی شخص مسافرت میں اس نیت سے مسجد میں اعتکاف کرے کہ سرائے کے کرائے وغیرہ سے بچوں گا تو اس کو خالص اعتکاف کا ثواب نہ ملیگا مگر دعا میں یہ بات نہیں چاہے کتنی ہی حاجتیں دنیوی مانگو مگر پھر بھی ثواب ملیگا۔

دعا کو یہ خصوصیت اس لئے حاصل ہے کہ دُعا سراسر نیازمندی اور اپنی عجز و انکساری اور اظہارِ عبدیت دنیا کے مانگنے کے وقت بھی موجود ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دُعا کی فضیلت و بزرگی کتنی ہے اور اس کا کیا مقام ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ دُعا میں دُنیوی بھلائی مانگے،

تو بھی آپ کو ثواب ملیگا۔ باوجود ان سب چیزوں کے دُعا کے مقبول ہونے کی چند شرائط ہیں۔ اگر ان پر عمل پیرا ہو کر دُعا مانگی جائے تو اس کے مُستجاب ہونے میں بہت کم دیر لگے گی۔ اس کے لئے کسبِ حلال، صدق مقال، خشوع وخضوع، عجز وانکساری، نیازمندی اور فروتنی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

انوار الاذکیاء میں روایت منقول ہے کہ لوگوں نے حضرت بن ادہم سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں، مگر قبول نہیں ہوتی۔ تو حضرت نے فرمایا، اسکی وجہ یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہو اور اس کی بندگی نہیں کرتے، اور اسکے رسول کو پہچانتے ہو مگر سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن پڑھتے ہو، اس پر عمل نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو اور اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اور اور تم خوب جانتے ہو کہ بہشت فرماں برداروں کیلئے بنائی گئی ہے اور طلب نہیں کرتے۔ اور یہ بھی خوب جانتے ہو کہ دوزخ میں آگ کی بیڑیاں اور طوق ہیں جو نافرمانوں کے واسطے بنائی گئی ہیں اور تم اس سے نہیں بھاگتے۔ اور جانتے ہو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے مگر اس سے عداوت نہیں کرتے، بلکہ اس کے ساتھ موافقت کرتے ہو۔ یہ بھی جانتے ہو کہ موت یقینی ہے۔ اس کے لئے سامان مہیا نہیں کرتے۔ اور والدین کو اولاد کو قبر میں دفن کرتے ہو مگر اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے، بجائے اس کے دوسروں کے عیوب تلاش کرتے ہو۔ جو ایسا ہو بھلا بتاؤ اس کی دُعا کیسے قبول ہوسکتی ہے؟

بزرگانِ دین کی تاریخ اٹھا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دُعائیں آناً فاناً میں مقبول ہو جاتی تھیں یا مد ان کا مدعا فوراً پورا ہو جاتا تھا، اس کی اصل وجہ صرف یہی تھی کہ وہ احکامِ خداوندی اور سنتِ نبویؐ پر پوری طرح کاربند ہوتے تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کے ہو گئے تھے اور خدا ان کا ہو گیا تھا۔

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

اور وہ جو کہتے تھے وہ ہو کر رہتا تھا۔ یعنی ان کا اور خدا کا کہنا دونوں ایک ہو چکا تھا ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حضرت حاتم عصمؒ اپنے وقت کے بہت بڑے ولی گذرے ہیں۔ ایک دن وعظ فرما رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ اے میرے پروردگار! اس مجلس میں جو بہت ہی گنہگار ہے اسے معاف فرما! اور بخش دے۔ تو اس مجلس میں ایک کفن چور بھی تھا۔ جب رات کو وہ کفن چرانے کی غرض سے قبرستان پہنچا اور قبر کھود کر کفن چرانا ہی چاہتا تھا کہ غیب سے آواز آئی حاتم کی مجلس میں آج ہم نے تم کو بخش دیا۔ کفن چور یہ سنتے ہی توبہ کیا اور عابدوں میں شمار کیا گیا۔ دیکھیئے دن میں دُعا مانگی گئی اور رات میں اس کا اثر ظاہر ہو گیا۔

ایک مرتبہ دجلہ کی طغیانی اتنی بڑھی کہ اہلِ بغداد کو خوف ہوا کہ بغداد میں پانی گھس آئے گا اور سارا شہر غرق آب ہو جائے گا۔ چنانچہ شہر کے لوگوں نے حضور غوث رضؓ

پاک سے عرض کیا کہ حضرت توجہ فرمائیں ورنہ سارا شہر تباہ و تاراج ہو جائے گا۔ آپ رحمت اللہ علیہ نے فوراً اپنا عصا اٹھالیا اور لوگوں کے ساتھ دجلہ کی سمت روانہ ہوئے۔ پانی اپنی اصلی حد سے بہت دور پھیل چکا تھا۔ حضور غوث پاکؒ بے تکلف اصلی حد تک پہنچے اور وہاں اپنا عصا گاڑھ دیا۔ اور فرمایا کہ بس اپنی حد سے مت بڑھ۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ مردِ خدا کے حکم سے اسی وقت کناروں کے دونوں جانب پھیلا ہوا پانی لوٹ کر دریا میں آ گیا اور طغیانی جاتی رہی۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اور بندہ کے درمیان چار خونخوار دریا حائل ہیں۔ جب تک بندہ ان کو طے نہیں کرتا واصل بحق نہیں ہو سکتا۔ پہلا دنیا، دوسرا خلق، تیسرا نفس اور چوتھا شیطان۔ اگر ان چیزوں پر پابندی اور التزام کیا جائے تو بے شک واصل بحق ہو سکتے ہیں، ورنہ خدا تک پہنچنے اور دعاؤں کے مستجاب ہونے میں بہت مشکل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام ہمیشہ ان چیزوں سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے پہاڑ ہو یا دریا۔ انسان ہو یا جانور سب ان کے حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں نہ اتنے مسلمان تھے اور نہ اتنی مسجدیں۔ مگر ہر مسلمان دین اور ایمان کے انوار سے مالا مال تھا۔ اسکی دعائیں مستجاب ہوتی تھیں کیونکہ ان کا رہن سہن صحیح معنوں میں مومنین کا تھا۔ وہی قرآن و حدیث آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ پھر نتائج ایسے کیوں برآمد نہیں ہوتے جو پہلے ہوتے تھے؟ اس کا سبب یہی ہے کہ ہم چھلکوں پہ قناعت کر کے مغز سے بے نیازی برتتے ہیں۔ رسم پہ اکتفا اور حقیقت سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ دنیا پہ شیفتہ اور دین سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ ظاہر تو التفات ہے اور باطن سے بے نیازی ہے۔ الفاظ پہ مرتے ہیں اور معانی سے بیگانگی اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ کسبِ حلال صدق مقال، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں۔ اس کے بعد یقیناً ہماری دعائیں بارگاہِ ایزدی میں مستجاب ہوں گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تاریخ بیت المقدس پر ایک نظر

از
حافظ یس پی عبدالماجد
عاقل سِرا ضلع ٹمکور
درجۂ سابعہ
متعلم دارالعلوم لطیفیہ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مالکِ کون ومکاں کی اس وسیع وعریض زمین پر نہ جانے کتنے شہر اور بستیاں آباد ہیں جن کے تاریخی کردار اور تفصیلی حالات تو درکنار، ان کے ناموں سے بھی بہت کم لوگ واقف ہیں۔ مگر چند ایسے شہر بھی ہیں جنکی شہرت وعظمت آج بھی مسلم ہے اور وہ ایک تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں شہر یروشلم ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جس کا تاریخی اور تمدنی رول آپ اپنی مثال ہے۔

یہی وہ مقدس زمین ہے جو ایک زمانے تک مسلمانوں کے زیر حکومت رہی جس میں مسلمانوں کا ایک عظیم سرمایہ موجود ہے۔ جس کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السلام نے خالصًا لوجہ اللہ رکھی تھی۔ یہ وہ متبرک مقام ہے جس کو باری تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں ارضِ مقدسہ سے تعبیر کیا ہے۔ رحمتِ خداوندی ہو اس سرزمین کے ایک ایک ذرّے پر جو انبیائے کرام کا مسکن تھی، جہاں ہمیشہ فرشتوں کی آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔ اور خود نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخی شہر کی فضیلت اور بزرگی اپنے اس قول سے بیان فرمایا ہے لاتشد الرحال الا ثلثة مساجد، مسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجد ھذا یعنی اپنے کجاوے صرف تین مساجد کی جانب باندھو، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی۔

اہل کتاب کا عقیدہ ہے کہ اسی مبارک مقام میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کیا تھا۔ مسلمانوں کا یہ مبارک شہر جہاں رات اور دن تعلیمات الٰہی کی نشر واشاعت ہو رہی تھی کفر والحاد کی بیخ کنی کی جا رہی تھی لیکن دفعتًا حالات نے ایک نیا رُخ اختیار کیا۔ اور ان مقدس تعلیمات کی جگہ تثلیث اور کفر والحاد نے لے لی۔ اور اس پر یہودیوں کا ناپاک قبضہ ہو گیا۔

قارئین کرام! یوں تو یروشلم کی سرزمین پر کئی بادشاہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں جس پر اکثر مورخین نے خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر اس مختصر سے مضمون میں اتنی وسعت نہیں کہ ہر ایک پر تفصیلًا لکھا جائے۔ لہٰذا مختصرًا دو ایک کا تذکرہ پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

خلیفہ دوم بیت المقدس میں

حضرت عمر فاروقؓ کی عظیم شخصیت محتاج تعارف نہیں، جب آپ مسند خلافت پر فائز ہوئے تو حضرت ابوعبیدہؓ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ملک شام پر چڑھائی کا حکم دیا۔ بفضل خدا جب ملک شام فتح ہوا تو آپ نے بیت المقدس کی جانب لشکر روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے سب سے پہلے یزید بن سفیان

کو پانچ ہزار کے لشکر کا سالار مقرر کر کے روانہ فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ ہدایت بھی کر دی کہ بیت المقدس پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کی ہدایت کے مطابق یزید بن سفیان نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دس دن کے بعد خود حضرت ابوعبیدہؓ بھی لشکر جرار لے کر بیت المقدس پہنچ گئے۔ اور یروشلم کے باشندوں کے نام ایک پیغام بھیجا جس میں درج ذیل عبارت تھی:۔

" تم کو چاہیئے کہ توحید باری پر ایمان لائیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول سمجھیں اور ہماری اطاعت قبول کریں یا جزیہ ادا کریں، اگر تم اس طرح نہیں کرو گے تو ہم سے مقابلہ کرنے کیلئے ہمارے وہ جانباز موجود ہیں جن کو موت اتنی ہی عزیز ہے جس طرح تم کو خنزیر کا گوشت اور شراب عزیز ہے"۔

مسلمانوں کو محاصرہ کئے ہوئے پورے چار ماہ گذر چکے تھے، اس اثنا میں عیسائیوں سے معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ عیسائی محصور ہونے کے باوجود مسلمانوں سے مسلسل مقابلہ کرتے رہے لیکن چار ماہ بعد سختیوں سے تنگ آکر مسلمانوں سے درخواست کی کہ ہم بیت المقدس بغیر کسی جنگ وجدال کے تمہارے حوالے کر دیں گے بشرطیکہ تمہارے خلیفہ حضرت عمرؓ خود تشریف لائیں اور شرائط نامے پر دستخط فرمائیں۔ چنانچہ خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضؓ انتہائی سادگی کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور عیسائیوں سے عہد نامہ لکھوایا۔

" اہل ایلیا کی جان ومال، گرجے، صلیب، بیمار وتندرست سب کو امان دی جاتی ہے اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ ان کو ڈھایا جائے گا یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن ایلیا والوں کے ساتھ یہودی نہ رہیں۔

ایلیا والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں اور رومیوں کو شہر سے نکال دیں۔ اگر کوئی یہودی شہر ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو اس کو بھی جزیہ ادا کرنا لازمی ہے۔ اگر کوئی رومیوں کے ہمراہ جانا چاہتا ہے تو اسکی جان ومال کے لئے بھی امان ہے۔ حتیٰ کہ وہ محفوظ مقام تک پہنچ جائے۔ جو کچھ اس عہدنامہ میں درج ہے اسپر خدا اور رسول اور خلفا، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بشرطیکہ اہل ایلیا مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کریں، اور شرطوں کی پابندی کریں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عہدنامہ پر تمام نے سر تسلیم خم کیا اور مقررہ جزیہ ادا کرتے ہوئے باادب حضرت عمرؓ کی خدمت میں بیت المقدس کی کنجیاں پیش کیں۔ صبح صادق طلوع ہو گئی تھی۔ آپؓ نے اذان دینے کا حکم کیا۔ آج پہلی مرتبہ اس مقدس شہر میں اللہ اکبر کی صدا گونجی۔ آپ نے خود فجر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ کوڑے کے اس انبار کی طرف گئے جو بیت المقدس کی ویرانی کے بعد مسلسل اس پہ پھینکا جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ ذلت وتوہین کے اس دیرینہ انبار کو خدا کے گھر سے اس طرح ہٹا دیں جس طرح

آپ نے ساکنانِ بیت المقدس کو صدیوں کی غلامی اور پیہم ظلم وتشدد سے نجات دلائی تھی، امیرالمومنین نے فرمایا لوگو! تم اسی طرح کرو جس طرح میں کرتا ہوں، اس کے بعد آپ ہاتھوں سے بھر بھر کر کوڑا اٹھانے لگے۔ اس سے آپ کا مقصد بیت المقدس کی تکریم وتطہیر کے ماسوا یہ ذہن نشین کرانا تھا کہ یہ عہد طہارت وعہد کرامت ہے۔

اچانک اللہ اکبر کی فلک شگاف آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کعبؓ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا کعب کو بلاؤ کو کعب حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا امیرالمومنین آج جو کام آپ کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے اسکی پیشین گوئی پانچ سو سال پہلے اللہ کے ایک نبی نے کی تھی آپ نے فرمایا وہ کیسے؟

کعب نے عرض کیا رومیوں نے بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کرکے یہاں تسلط پایا اور اس گھر کو دفن کر دیا۔ پھر بنی اسرائیل کامیاب ہوئے لیکن یہ لوگ ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ اہلِ فارس کے ظلم وتشدد کا شکار ہو گئے۔ اس کے بعد پھر رومی چھا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے کوڑے کے اس ڈھیر کے قریب ایک نبی کو بھیجا تھا اور اس نبی نے یہ کہا تھا اے یروشلم! تجھے بشارت ہو کہ ایک زمانے میں فاروق تیرے پاس آئیں گے اور تجھکو اس نجاست سے پاک کریں گے۔ ان کے ہمراہ فرماں بردار فوج ہوگی جو رومیوں سے تیرا انتقام لے گی۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا دوبارہ حملہ

خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ نے زمامِ خلافت تھامی اور اسلامی فتوحات کو اس درجہ بڑھایا کہ چین اور تمام وسط ایشیا میں اسلامی جھنڈے لہرا دیئے۔ ان کی حیرانگیز ترقی کا دَور دورہ ابھی ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ خلفائے عباسیہ خلافت پر قابض ہو گئے۔ لیکن مامون الرشید کے دَور سے خلافت میں ضعف اور کمزوری شروع ہوئی۔ جس سے خلافت کی مرکزیت کا خاتمہ ہو گیا اور مصر میں خلافتِ جدیدہ علویین کے نام سے وجود میں آئی۔ اسی طرح کئی سلطنتیں خلافت عباسیہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے قائم ہوتی رہیں۔ گو یہ سب تغیر و تبدل صرف اسلامی حکومتوں میں ہوتا رہا۔ ۴۹۱ھ تک یہ مقدس مقام مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ مگر ۴۹۲ھ میں جب اسلامی ممالک میں انحطاط آگیا اور باہم ہمدردی نہ رہی تو عیسائیوں نے موقعہ کو غنیمت جان کر سر اٹھایا اور یکم رجب ۴۹۲ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا اور چالیسویں دن ۲۲ شعبان المعظم ۴۹۲ھ میں جمعہ کے دن دوپہر کے وقت مقدس مقام پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ ڈھائے کہ جن کا نقشہ کھینچتے ہوئے تقریباً ہر مؤرخ کانپ اٹھتا ہے۔ ظالموں نے اس مقدس مقام میں معصوم بچوں کو تک نہیں چھوڑا۔ عورت ہو یا مرد، جوان ہو یا بوڑھا لڑکی ہو یا لڑکا ہر ایک کو چن چن کر قتل کیا۔

فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی

ابو المظفر ملک الناصر سلطان صلاح الدین ایوبی جن کو آج تاریخ فاتح بیت المقدس کے نام سے یاد کرتی ہے، یہ اسلام کا وہ مجاہد ہے جس نے اپنی توانائیاں صرف کر کے عیسائیوں کے چنگل سے اس شہر کو آزاد کروایا۔ سب سے پہلے صلاح الدین نے عسقلان

اور بیت المقدس کے اطراف واکناف کے قلعوں پر قبضہ کیا پھر مصر سے جنگی جہازوں کا بیڑہ طلب کر کے خدا کا نام لے کر پندرہ رجب المرجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کی جانب روانہ ہوا اور یروشلم کی مغربی جانب خیمہ زن ہوا۔ پانچ روز تک مسلسل آپس میں معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں جس کے درمیان سلطان بذاتِ خود شہر کے اطراف واکناف کا جائزہ لیتا رہا۔ شہر پناہ کی مضبوطی کا یہ عالم تھا کہ کسی طرف سے بھی حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر بیس رجب کو بیت المقدس کے شمالی جانب کلیسۂ صیہون کی طرف مورچہ قائم کیا اور ایک ہی شب میں آلاتِ حرب کو آراستہ کر کے دوسرے دن علی الصباح دشمن پر تیروں کی بارش شروع کر دی، جس سے عیسائیوں پر خوف طاری ہونے لگا۔ اور آپس میں یہ طے کر لیا کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ بالیان ابن بیرزان یروشلم سے باہر نکلا اور ذاتی امان طلب کرتے ہوئے دربارِ سلطانی میں حاضر ہو کر امن وصلح کی درخواست کرنے لگا۔ سلطان بھی اس کا خیر مقدم خندہ پیشانی سے کرتے ہوئے جواب میں فرمایا ہم تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو تم نے بیت المقدس داخل ہونے کے وقت کیا تھا۔

سلطان کے اس جواب سے بالیان ابن بیرزان بہت ہی خائب وخاسر رہا۔ تھوڑی دیر تک غور وفکر کرتا رہا۔ پھر عرقِ خجالت اپنی پیشانی سے پونچھتے ہوئے کہنے لگا، اے سلطان! اس شہر میں ہماری قوم اس کثرت سے ہے، جس کی تعداد کا اندازہ بھی غالباً ناممکن ہے۔ ہم لوگوں نے اس امید پر قتل وجنگ سے دست کشی کرنی چاہی تھی کہ آپ ہماری التجا قبول کر لیں گے۔ اس اثنا میں سلطان کو کبھی جزاء السیئۃ مثلھا کا حکم یاد آ رہا تھا کبھی اس کے رحم وکرم کو جوش آتا تو احسن الی من اسیٰ والا قول یاد آیا۔ سلطان انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، کہ کیا کیا جائے؟ بالآخر اصحاب شوریٰ کو طلب فرما کر رائے لی گئی اور کثرت رائے کا اعتبار کرتے ہوئے بالیان بن بیرزان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ مگر اس شرط پہ کہ ہر مرد کی جانب سے خواہ غریب ہو یا امیر دس دس دینار اور ہر عورت کی جانب سے پانچ پانچ دینار جزیہ دیا جائے۔

ستائیس ۲۷ رجب المرجب ۵۸۳ھ بروز جمعہ الملک الناصر سلطان صلاح الدین سر جھکائے ہوئے انتہائی تعظیم کے ساتھ یروشلم میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور اسی وقت بیت المقدس کے شاندار اور دیدہ زیب میناروں پر اسلامی اعلام لہرائے۔ سلطان نے مسجدِ اقصیٰ میں پہنچکر دو رکعت نماز ادا کر کے خدا کا شکر بجالایا۔

بیت المقدس اور دورِ حاضرہ

مسلمانوں میں جب بھی اتفاق واتحاد کا شیرازہ بکھر گیا اور یہ خانہ جنگی کا شکار ہوئے تو دیگر اقوام نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، چنانچہ جس طرح ۴۹۲ھ میں عیسائیوں نے مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تھا بالکل اسی طرح آج اسرائیل عرب ممالک کی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور آج بیت المقدس کا مسئلہ ہر ایک کے

کے نزدیک بہت ہی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ آج ہر مسلمان یہی سوال کرتا ہے کہ کیا بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کو ملے گا؟

مگر اس بارے میں مسلمانوں کو چنداں ہراساں و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ محبوب خدا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے،

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تقاتلون الیھود حتیٰ یختبی احدھم وراء الحجر فیقول یا عبد اللہ ھذا ورائی فاقتلہ (مسلم شریف)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ کرو گے تم یہودیوں سے، حتیٰ کہ ان میں کا ہر ایک مارے خوف کے پتھر کے پیچھے چھپتا پھریگا۔ تو اس وقت وہ پتھر بھی کہے گا، اے اللہ کے بندے! یہودی میرے پیچھے ہے اس کو پکڑو، اور قتل کرو۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہودیوں سے فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ جس میں مسلمانوں کو کامیابی وکامرانی میسر ہوگی۔

لہٰذا اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اجتماعی قوتوں کو بڑھائیں۔ بالخصوص اسلامی ممالک کو چاہیئے کہ باہمی اختلافات اور تنازعات ختم کرکے متحد ہو جائیں اور بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کرلیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کھوئے ہوُے اعزازات اور مقدس ومتبرک مقامات پھر سے ہمیں عطا فرمادے۔ آمین ۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوُے تاروں سے کیا بات بنے

زندگی اور حیا

زندگی

زمانہ کے حوادث سے نہ گھبرا رہرو منزل
ہمیشہ زندگی اُسکی ہے جو ثابت قدم نکلے

گر زندگی میں مل گئے پھر اتفاق سے
پوچھیں گے اپنا حال تری بے بسی سے ہم

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

یہ زندگی بھی کوئی زندگی نہیں واقف
نہ حوصلے نہ ارادے نہ جستجو نہ جنوں

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

حیا

دنیا سے جا رہا ہوں کفن میں چھپا کے منہ
افسوس بعد مرنے کے آئی حیا مجھے

یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی رہے تیری بے داغ

جھکا رہے ہی جو یوں چشم سرمگیں نرگس
ابھی ہے کچھ چمن دہر میں حیا کا رواج

وہ میری ناکامیاں ازنیازِ عشق میں
انکے اندازِ تکلف کو حیا سمجھا تھا میں

پیشکش: حافظ محمد اسماعیل وانمباڑی
متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

تبسّم

پیشکش
سید حفیظ الدین شوقی پرپوری
متعلم دارالعلوم لطیفیہ
جماعت ہشتم ویلور

باغبان: ارے یہ پودے کیوں توڑ رہے ہو؟
شمیم: کیونکہ بورڈ پر لکھا ہے کہ پھول توڑنا منع ہے۔

ماں: دیکھو بیٹا شریر لڑکوں سے الگ رہا کرو۔
لڑکا: ہاں اسی وجہ سے میں اسکول نہیں جاتا

انسپکٹر پولیس سے: تم نے چور کو کیوں نہیں پکڑا؟
پولیس: جناب، وہ ایسے کمرے میں گھس گیا جس کے دروازے پر لکھا تھا بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔

مریض ڈاکٹر سے: میرے ساتھ کچھ رعایت کیجئے۔ ممکن ہے میں بھی آپ کی خدمت کرسکوں۔
ڈاکٹر: تم کیا کرتے ہو؟
مریض: جی، میں گورکن ہوں۔

غیاث (دادا سے) میں ایک مہینہ سے سروس ڈھونڈ رہا ہوں لیکن مجھے ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔
دادا: دیکھو بیٹا ایسا کرو کہ پولیس تھانہ میں اس کا حلیہ لکھا دو، ضرور اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔

پادری آج مجھے کیسے گدھوں کو وعظ سنانا پڑا۔
ظریف جبھی تو آپ ان کو میرے بھائی کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔

حفیظ منیر سے۔ وہ تمہارا صندوق لئے دوڑ رہا ہے۔
منیر: فکر مت کرو، اس کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے۔

جج ملزم سے۔ تم نے منی آرڈر کلرک پر حملہ کیوں کیا؟
ملزم۔ حضور میں نے ایک سو روپئے اپنے بھائی کو روانہ کرنے کے لئے دئے تھے اور اس نے روپئے بھیجنے کے بجائے ایک بکس میں ڈال دیا۔

عشاق حفیظ سے۔ عینک موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذرا یہ پڑھ کر تو سناؤ۔
حفیظ: حضور! میں بھی آپ ہی کی طرح اَن پڑھ ہوں۔

نسیم: امی گلاس ٹوٹ گیا
امی: پھینک دو۔
نسیم: پھینکنے ہی سے تو ٹوٹا ہے۔

ویلور کا تاریخی پس منظر

از
مولوی سید محمد انوار اللہ
سرقاضی لطیفی
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

دار السرور ویلور شہر ان میں بادشاہ ہے
آرکاٹ اور چیچی اس دار کا گدا ہے (قرنی)

ویلور دار السرور صوبۂ مدراس کا ایک اہم تاریخی شہر ہے۔ اس حسین و جمیل شہر میں فی الوقت کم و بیش دو لاکھ نفوس بستے ہیں جس میں پچیس ۲۵ فی صد سے زائد فرزندانِ اسلام ہیں۔ دار السرور ویلور کو آج بھی اپنی عظمت پر ناز ہے کہ اس میں ایسی مقدس شخصیتیں پیدا ہوئیں جو قطبِ وقت کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ انہیں برگزیدہ ہستیوں میں سے حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی ذات گرامی ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں ملکۂ وقت وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دیا تھا۔ تقریباً تین صدیوں سے آج تک اس سرزمین میں روحانی امراض کا معقول علاج ہوتا آرہا ہے اور انشاء اللہ ہوتا رہیگا۔

یہی وہ سرزمین ہے جہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے دکن میں پھیل گئے۔ آج بھی اس کا فیضان اسی طرح جاری ہے۔ اس لحاظ سے اس خطہ کو روحانی تربیت گاہ اور تزکیۂ نفس کا مرکز کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسی طرح شہر ویلور آج جسمانی امراض کے معقول علاج میں بھی پورے جنوبی ایشیا کا مرکز بنا ہوا ہے۔

قلعۂ ویلور

قلعۂ ویلور آج بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جس کی تعمیر سنہ ۶۷۰ھ ۱۲۵۵ء میں راجہ پدوردی دیو مہاراج کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ اس پر تقریباً سات سو سال کا دراز عرصہ گذر چکا ہے۔ اس طویل مدت میں اس نے بیشمار جنگیں دیکھیں اور بہت سارے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ باوجود ان خطرناک انقلابات کے اس کی مضبوطی میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔ اور جب اس کی سنگین و پختہ دیواروں پر نظر پڑتی ہے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حال ہی میں تیار کیا گیا ہے۔ اس قلعہ کی مضبوطی کا پتہ صرف اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہادر خاں اس کو فتح کرنے کی غرض سے اس شہر پر حملہ آور ہوا تو اُسے بارہ سالہ طویل عرصہ کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح ہوا۔ اس وقت اس کے اطراف جو خندق نظر آتی ہے وہ بہادر خاں ہی کی بنائی ہوئی ہے جو آج بھی پانی سے لبریز ہے۔ جس سے اس کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی کتاب "غبار خاطر" میں جنرل ویلزلی کے قول کو نقل کرتے ہوئے دکن کے

تمام قلعوں میں قلعہ ویلور کی مضبوطی کو ثابت کیا ہے۔

تذکرۂ قلعہ کے ساتھ اس سے متعلق ایک قطبِ وقت کی کرامت کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔

زبدۃ العارفین سید السالکین اعلیحضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری **ذوقیؔ** ویلوری مجددِ وقت صاحب کمالات وکثیر التصانیف بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے ایکوقت فرمایا تھا کہ ۱۳ رجب المرجب کو ایک قطب کا انتقال ہوگا، اس کے تیسرے دن قلعۂ ویلور پر گولی چلیگی۔

حضرت کی اس پیشین گوئی کے مطابق سلطان حیدر علیخان نے آپ کے انتقال کے تیسرے دن قلعہ پر حملہ آور ہوئے اور گولی چلائی۔ اس پر لوگوں نے یقین کرلیا، کہ آپ ہی کی وہ مقدس اور بابرکت شخصیت تھی جن کو اللہ تعالےٰ نے اس زمانے کا قطب بنایا تھا کہ آپ کے وصال کے بعد حاکمِ قلعہ پر زوال آیا۔ یہ وہی قلعہ ہے کہ جس کی پختہ عمارتوں میں حضرت ٹیپو سلطانؒ کی بیگمات اور ان کے فرزندوں کو نظر بند کیا گیا تھا اور آج وہ شاہی عمارتیں پولیس ٹریننگ کالج، ہاسٹل اور دیگر بہت سارے آفسیس مثلاً منصف ایڈیشنل کورٹ، منصف میونسپل کورٹ، سب کورٹ ویلور، ڈسٹرکٹ کورٹ، سب میجسٹریٹ اڈیشنل کورٹ، بنچ کورٹ، کلکٹر آفس ایجوکیشنل آفس، ویلور تعلق آفس بنی ہوئی ہیں۔

ان کے علاوہ اس قلعہ میں ایک چھوٹی سی روح پرور مسجد اور ایک بہت بڑا مندر بھی ہے۔ مسجد میں عبادت مندر میں پوجاپاٹ ایک عرصہ سے بند کردیا گیا ہے۔ البتہ ایک گرجا ہے جہاں ہفتہ میں صرف ایکمرتبہ عیسائی خاموش عبادت کرتے ہیں۔

قلعہ کا اندرونی وبیرونی حصہ انتہائی خوبصورت ہے اور یہ پائیدار قلعہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان کے بالکل قریب جنوبی حصہ میں واقع ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

آج سے تقریباً تین سو سال پیشتر ویلور کی سرزمین انتہائی اضطرابی و بے تابی سے شدید منتظر تھی کہ کوئی ایسی ذاتِ گرامی قدم رنجہ فرمائے جو رشد وہدایت کا پیکر اور عارف کامل ہو، جن کی نگاہِ کرم اور علمی وعرفانی بارش سے یہ ویرانہ سرسبز وشاداب ہوجائے۔

یوں تو اس شہر میں مسلمان ضرور پائے جاتے تھے مگر ان پر جمود طاری تھا۔ علم دین سے بالکل ناآشنا تھے۔ روحانیت مادیت میں گم ہوکر رہ گئی تھی اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ظلمت وجہالت نے اس کے ہر ہر ذرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس ناگفتہ بہ دور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی دریائے رحمت میں جوش آیا تو اپنے پیارے محبوب رسالتمآب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن پُربہار سے ایک تازہ دم خوشبودار مہکتا ہوا پھول سرزمین ویلور کے لئے منتخب فرمایا! جو شہر بیجاپور سے منتقل ہوکر مختلف مقامات کو اپنی مہک سے سرشار ومست کرتا ہوا ۱۱۳۶ھ میں ویلور کے اس مقام پر فروکش ہوا جہاں اول لق ودق جنگل تھا، مگر اب یہاں سب کچھ ہے۔

جس میکدے پھول کا تذکرہ کیا گیا ہے' یہ وہی مردِ باصفا زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

آپ جس دن خیمہ زن ہوئے اسی رات کو آپؒ نے حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں اے نور العین! تم اس جگہ قیام کرنا اور دیکھو یہاں مسجد' یہاں مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرانا۔ تمہاری اولاد امجاد سے ایک عالم کو فیض دائمی پہنچے گا۔ جب آپؒ خواب سے بیدار ہوئے تو ظاہر میں بھی خواب کے آثار کو نمایاں پایا۔ لہٰذا اسی فرمانِ رسولؐ کی تکمیل ہوئی اور آپ ۱۱۴۹ھ کو ویلور دارالسرور ہی میں واصل بحق ہوئے۔

چنانچہ اسلامی تاریخ میں اس خانوادے کو اور خصوصاً دکن کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے کہ جنہوں نے یکے بعد دیگرے زندۂ جاوید کارنامے انجام دئے ' اور انشاء اللہ اسی حسن و خوبی کے ساتھ دیتے رہیں گے۔

مولوی عبدالسلام صاحب کمالی ویلوری دام مجدہٗ نے اسکی عظمت اور خدمت کو اپنے ان اشعار میں یوں بیان کیا ہے:-

ہے شانِ ہند کہ فخرِ دکن لطیفیہ
درِّ عدن ہے کہ لعلِ یمن لطیفیہ
ہر اعتبار سے ممتاز ہے دو عالم میں
ہے فخرِ ملت و دین وطن لطیفیہ
کہاں نہیں ہے رواں تیرے فیض کا دریا
کہ تو ہے غیرتِ گنگ و جمن لطیفیہ
مدارس اور دلبستاں ہیں اور بھی لیکن
ہیں سب شروح ترے تو متن لطیفیہ
ترا اصول ہے خلوت در انجمن دائم
ترا سلوک سفر در وطن لطیفیہ
زباں میں بند کروں نکتہ چیں حریفوں کی
دے یوں ہی دعوتِ فکر سخن لطیفیہ

دارالعلوم لطیفیہ جنوب و شمال کی قدیم ترین عظیم درسگاہ ہے۔ اس کا تعلیمی آغاز ۱۱۳۸ھ میں ہوا۔ جنوبی ہند میں اس مدرسہ کو اُمّ المدارس کی حیثیت حاصل ہے۔

گویا دارالعلوم لطیفیہ کا آفتاب شمال و جنوب کے مدارس سے ایک سو چوالیس ۱۴۴ سال قبل جنوبی ہند میں طلوع ہو چکا تھا' جس کی تابناک شعاعیں ہندوستان کی سرحدوں سے دوسرے ممالک تک پہنچ چکی تھیں' اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت قطبؒ ویلور کے لاکھوں مریدوں اور بہت سے خلفاء ہوئے' وہ صرف عجمی ہی نہیں تھے بلکہ ان میں عربی بھی تھے۔ حضرت قطبؒ ویلور کے لاکھوں اہل عجم و عرب مستفید و مستفیض ہوئے ہیں۔

اس خانوادے کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس پر تین سو سال کا عرصۂ دراز بیت جانے کے باوجود آج بھی وہی رحمتوں اور برکتوں کا لامتناہی سلسلہ بدستور جاری و ساری ہے۔

اس وقت دارالعلوم لطیفیہ کو مرشدنا و مولانا مولوی اعلیحضرت ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب

قبلہ قادری مدظلہ العالی (سجادہ نشین مکان حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز) کی سرپرستی اور حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر آقا قبلہ قادری المعروف بہ میراں پاشاہ صاحب دامت برکاتہم العالی کا پُرخلوص تعاون حاصل ہے اور محسن اعظم پیکر اخلاق حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری المعروف بہ حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم العالی (B.A) کی بے مثال نظامت حاصل ہے۔

ان بزرگوں میں خاندانی خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ آپ حضرات کی جانفشانیوں اور اعلےٰ تدابیر و بے مثال صلاحیتوں کا نتیجہ ہے کہ آج دار العلوم لطیفیہ دن دُگنی، رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ شاعر عصر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

نہ تجھ پہ کچھ اثر کیف و کم زمانے کا
نہ تجھ میں شائبۂ ما و من لطیفیہ
بدل سکا نہ تجھے انقلاب دوراں بھی
تو حادثوں میں بھی تھا نغمہ زن لطیفیہ
ڈرا سکا نہ زمانے کا منظر خونی
نہ کھا سکا غم دار و رسن لطیفیہ
خدا کے بعد محمدؐ پھر اہل بیت کرام
اس امتیاز سے ہے ضو فگن لطیفیہ

ان سرپرستانِ دار العلوم لطیفیہ کے یہ نظریات ہیں کہ قوم و ملت میں ایک عظیم اصلاحی انقلاب رونما ہو، چنانچہ اسی نظریہ کی ایک اہم کڑی سالنامہ **اللطیف** کا اجراء اور دار التصنیف والاشاعت کا قیام ہے۔

غدر ویلور

سر جارج بارلو ۱۸۰۵ء میں جنرل گورنر مقرر ہوا۔ جو دخل نہ دینے والی پالیسی کا حامی تھا۔ چنانچہ گورنر جنرل نے ہلکر سے مصالحت کر کے مرہٹوں کی تیسری لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ سر جارج بارلو کے دورِ حکومت کا مشہور واقعہ 'واقعۂ غدر ویلور' ہے جو تاریخ کے صفحات پر غدر کے نام سے مرقوم ہے۔ اس کے عہد میں گورنمنٹ کی جانب سے یہ حکم صادر کیا گیا کہ ٹوپی نما پگڑی باندھا کریں۔

اس حکم نے سپاہیوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ اب سے ان سپاہیوں میں بے چینی اور بدظنی عام ہوگئی کہ حکومت ان کے مذہب میں دست درازی و دخل انداز ہونا چاہتی ہے۔

چنانچہ ان سپاہیوں کے جذبات مشتعل ہو گئے، اور ۱۸۰۶ء میں اچانک انہوں نے زبردست غدر کر دیا۔ اس غدر میں ایک سو تیرہ گورے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جب یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تو کرنل گلسپی فوج لے کر شہر مدراس پہنچا۔ اس نے بڑی چالاکی و بہادری سے غدر کو فرو کر دیا۔ اور بہت سے سازش پسندوں اور غدر بپا کرنے والے سرغنوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے اکثروں کو دار کی سزا سنائی۔ اس ضمن میں انسان کامل حضرت **قطبؒ ویلور** کی کرامت کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ گرفتار شدہ افراد میں آپ کے ایک مرید بھی تھے۔ جن کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو چکا تھا۔ تختۂ دار پر لانے سے پہلے ان سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے پیر و مرشد سے ایکبار مل آؤں اور منشاء خواہش

ان کو اجازت مل گئی۔ اسی وقت وہ فوراً حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں تشریف لائے۔
حضرت قطبؒ ویلور مرید صادق کی خیریت دریافت فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے۔ بس تھوڑی دیر میں پھانسی پر چڑھا دیا جاؤں گا اس لئے میں اپنی آخری خواہش کو پورا کرنے کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ میری دلی آرزو پوری ہو چکی ہے اب آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ (علیحضرت قطبؒ ویلور نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا تم کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے خاطر جمع رہو جاؤ انشاءاللہ اطمینان سے واپس آؤ گے۔ ادھر پیرومرشد کے درمیان یہ گفتگو ہو رہی تھی ادھر وہ لوگ اُن کو پھانسی دینے کے لئے منتظر تھے۔ یہ نہایت عجیب و غریب منظر تھا۔ جب اپنے مرشد سے اجازت لیکر واپس لوٹے تو وہاں حاکم وقت کی بیوی بھی موجود تھی، اس کی نظر ان پر پڑی تو بے ساختہ کہنے لگی کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ شخص بے گناہ ہے۔ اس کے متعلق تحقیق کی جائے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

حاکم کے استفسار پر آپ نے جواب دیا کہ میں اسی دارالسرور میں رہتا ہوں مگر جسوقت ویلور میں غدر ہوا ہے میں اس وقت یہاں موجود نہ تھا۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو تحقیق و تفتیش کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کی تفتیش و جستجو نے مجھے مجرم ثابت کر دیا تو آپ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں گے منظور ہے۔ آپ کے اس جواب پر حاکم تھوڑی دیر تامل کر کے آپ کو اس سزا سے بری کر دیا۔

حضرت قطبؒ ویلور نے اپنی بصیرت کے علاوہ کشفِ باطنی کے ذریعہ اس کے فیصلہ پر مطلع ہو چکے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے مرید سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا جاؤ انشاءاللہ تعالیٰ اطمینان کے ساتھ واپس آؤ گے۔
گورنمنٹ نے پگڑی کا جو حکم صادر کر رکھا تھا غدر کے بعد منسوخ کر دیا۔

مدرسۂ باقیات الصالحات

اس کے بانی شمس العلماء الحاج مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہیں۔ آپ ۱۲۴۷ھ کو شہر ویلور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم ویلور اور مختلف مقامات میں ہوئی۔ آپ حضرت قطبؒ ویلور سے اکتساب فیض کرتے ہوئے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا اور آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی و نیز قطب زماں نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ فکر معاش میں آپ حیدرآباد دکن پہنچے۔ یہاں آپ نے اپنی اعلیٰ قابلیت و صلاحیت کی وجہ سے منصب تحصیلداری پر فائز رہے۔ جس وقت حضرت قطبؒ ویلور کو اس کا علم ہوا تو فوراً مرید صادق کے نام ایک نامہ روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حدیث پڑھو اور پڑھاؤ۔ تم کو اس پر عمل کرنا ہے، اور میری خواہش ہے کہ تم فوراً خط دیکھتے ہی ویلور چلے آئیں۔

چونکہ شیخ کامل کی نگاہِ حقیقت شناس کچھ اور جائزہ لے رہی تھی۔ صاحب موصوف اپنے رہبر کامل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تحصیلداری کے اعلیٰ منصب کو ٹھکرا کر

حاضر خدمت ہوئے اور پیرو مُرشد کے حکم کے مطابق مسجد بڑی گلی (مسجد جو آج باقیات الصالحات کے نام سے مشہور ہے) میں درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ آپ ہی کی جاں فشانیوں اور مسلسل جد و جہد اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ یہ مدرسہ آج بام عروج پر پہنچا ہے۔ یہ آپ کا زندۂ جاوید عظیم الشان کارنامہ ہے جہاں سے سینکڑوں تشنگانِ علوم اپنی پیاس بُجھا رہے ہیں۔

آپ عالم باعمل متقی و پرہیزگار اور خداترس بزرگ تھے۔ آپ کو اپنے پیرو مرشد حضرت قطبِ ویلور سے سچی محبت و عقیدت تھی۔

آپ کا وصال ۱۳۳۷ھ میں ہُوا اور آپ کا مزار مُبارک مدرسہ باقیات الصالحات کی مسجد کے مشرقی سمت میں مرجعِ خاص و عام ہے۔

C.M.C مسز ڈاکٹر ایڈا صوفیہ اسکڈر
سی۔ یم۔ سی
Dr. IDA SOPHIA SCUDDER

۱۸۷۰ء کو امریکہ میں پیدا ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے بڑی ذہین، چالاک اور ہشیار تھیں۔ اپنی ذکاوت اور چالاکی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور دنیا کے مشہور ڈاکٹروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ جب امریکہ سے ویلور آئی تو یہاں کے طبی اداروں اور مریضوں کی حالت دیکھ کر افسوس کیا اور واپس امریکہ جاکر چند ماہ بعد دوبارہ ویلور تشریف لائیں اور اس کو اپنا مسکن بنالیا اور یہاں اوسط پیمانے پہ ایک طبی ادارہ قائم کیا۔ جس کا نام گوشہ ہسپتال رکھا۔ یہ طبی ادارہ اپنی پُرخلوص و بے لاگ خدمات کی وجہ مختصر سی مدت میں اعلیٰ پیمانہ پہ کام کرنے لگا اور ۱۹۲۷ء میں اسکا عظیم الشان افتتاح گورنر مدراس کے ہاتھوں ہُوا۔ اور آج یہ دنیا کے مشہور ترین طبی اداروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ مسز ڈاکٹر ایڈا صوفیہ اسکڈر بانی کرسچن میڈیکل کالج ۱۹۶۰ء میں ویلور میں وفات پائیں۔ اس کی عظیم الشان عمارت پالار ندی کے جنوبی کنارے سے چند فرلانگ پر ڈاکٹر ایڈا اسکڈر روڈ پہ واقع ہے۔

اس مشہور و معروف ہسپتال کے مختلف شعبے، اس کے وارڈ، طلباء، اور اس کالج کے املاکی قیام گاہیں، جو کہ کئی منزلوں پہ مشتمل ہیں، یہ پچیس ۲۵ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں دن اور رات کے کسی بھی حصّہ میں مریض فوری طبی امداد حاصل کرسکتا ہے، اور کیزولٹی (CASUALTY) میں ماہر ڈاکٹروں کی ایک مخصوص جماعت ہوتی ہے، جو مریضوں کی تفتیش و تحقیق کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتی ہے تاکہ کسی بھی مریض کو وقت کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

جب کوئی ایمرجنسی کیس آجاتا ہے تو ہسپتال کے مدبر ڈاکٹر اسکی طرف فوراً رجوع ہوجاتے ہیں اور پیشینٹ ڈپارٹمنٹ میں روزانہ اوسطاً دوہزار نئے مریض درج فہرست ہوتے رہتے ہیں۔ ہسپتال کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والے سٹاف کی عمدہ اور سنجیدہ خدمات قابلِ قدر ہیں۔

دیگر تاریخی چیزوں کے علاوہ ویلور سی۔ یم۔ سی کی وجہ سے مختلف سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔

اور ساری دنیا بانی سی۔ ایم۔ سی ایڈا اسکڈر کے نام سے واقف ہے اور جانتی ہے کہ شہر ویلور میں اس کا قائم کردہ ایک عظیم طبی ادارہ ہے جسے آج کرسچین میڈیکل کالج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور شہر ویلور کا جنوبی حصہ جو ترٹ پارٹی دامن کوہ میں واقع ہے اس دلکش مقام میں میڈیکل کالج ہاسٹل، ڈاکٹر طلباء اور طالبات کی شاندار جداگانہ قیام گاہیں بنائی گئی ہیں۔

ڈاکٹر مسز ایڈا اسکڈر کی بزرگان مکان حضرت قطب ویلور کے ساتھ پُرخلوص خدمات رہی ہیں۔ جب کبھی امریکہ وغیرہ سے مہمان تشریف لاتے انہیں اولین فرصت میں اپنے ساتھ بزرگان سے ملاقات کرانے کے لئے لے آتیں۔ یہ بنفس نفیس کئی مرتبہ یہاں آچکی ہیں۔

ویلور سنٹرل جیل

یہ ہندستان کے چند مشہور و معروف جیلوں میں سے ایک ہے۔ یہاں کئی مقتدر سیاسی لیڈر مقید رہ چکے ہیں، اور سینکڑوں کی تعداد میں قیدی رہا کرتے ہیں۔ ان کے لئے مختلف کارخانے اور صنعتی شعبے قائم کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مندر اور مسجد بھی ہے۔ یہاں پابندی کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ جیل بڑی مضبوط ہے۔

شہر ویلور کے کالج ایک نظر میں

صوبہ ٹمل ناڈو کے چند اہم ترین شہروں میں سے شہر ویلور کو علمی حیثیت سے ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ سینکڑوں طالبانِ علوم علوم دینیہ و دنیویہ سے سیراب ہوتے جا رہے ہیں۔

لطیفیہ کالج
(حضرت مکان)

یہ کالج پہلا ہے جو ترقی یافتہ تین سو سال سے پُرخلوص و بے لاگ خدمت انجام دیتا آرہا ہے۔ بایں وجہ جنوب کی ام المدارس کہلاتا ہے جس کی خدمات قابلِ صد ستائش ہیں۔

باقیات الصالحات عربی کالج

یہ بھی تقریباً ایک صدی سے تشنگانِ علوم شرعیہ کو سیراب کر رہا ہے۔

میڈیکل کالج

جو سی۔ ایم۔ سی کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں انگریزی کی اعلیٰ طبی تعلیم ہوتی ہے۔

گورنمنٹ پولیس ٹریننگ کالج

جو صوبۂ مدراس کی واحد بڑی کالج ہے۔ اس میں پولیس سے لے کر اسسٹنٹ سوپرنٹنڈنٹ تک کی تربیت ہوتی ہے جو قلعۂ ویلور میں واقع ہے۔

اوریس کالج

یہ کالج بھی زمانۂ دراز سے خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہر سال اس کو مدراس یونیورسٹی کا سنٹر بھی بنایا جاتا ہے، جس میں فضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل اور دیگر ٹمل و انگریزی کے منتخب امتحانات رکھے جاتے ہیں۔

گورنمنٹ پالی ٹکنک کالج

یہاں اعلیٰ درجہ کی انجنیرنگ کی تعلیم ہوتی

ہے، جو تین سال کا کورس ہے جبکی عمارت نہایت ہی خوب صورت و دیدہ زیب ہے۔

گورنمنٹ متورنگم آرٹس کالج

اس کے لئے ۱۹۷۱ء میں ایک شاندار عمارت بنائی گئی، جو ویلور سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں سے اوٹری بالکل قریب ہے۔ یہاں ایک وسیع و عریض بہت بڑا تالاب ہے۔ اس تالاب سے بھی پورے شہر کی آب رسانی کا انتظام کیا گیا ہے۔ کالج کے اطراف سرسبز و شاداب کھیتی اور اس کے مد مقابل پہاڑ ہے، جو کالج کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس کالج میں آرٹس کا انتظام بحسن و خوبی انجام پاتے رہتا ہے۔

گورنمنٹ بی ٹی ٹیچرس کالج (بی۔ ایڈ)

اس میں مسلم و غیر مسلم طلباء و طالبات تعلیم پا رہے ہیں۔ جو ایک سال کا ٹریننگ کورس ہے۔

نرس ٹریننگ کالج (C. M. C.)

اس کالج میں سینکڑوں نرسوں کی اعلےٰ تربیت کی جاتی ہے۔ جو تربیت کے بعد اسی C. M. C میں داخل کر لئے جاتے ہیں۔

اس کے ماسوا شہر ویلور میں پندرہ سے زاید ہائی اسکولس ہیں۔ ان میں سے ایک گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول ہے۔ یہاں پر بھی کثیر مسلم طلباء و طالبات تعلیم پا رہے ہیں۔

اور شہر ویلور دینی و دنیوی علوم کا ہی نہیں بلکہ تجارت کا بھی مرکز ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شہر کی رونق و عظمت علوم ہی سے اُجاگر ہوتی ہے۔ یہ شہر دن بدن ترقی کرتا جا رہا ہے۔ کشادہ راستے، اور نئی عمارتیں اس کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔

—

رونق میں اور صفا میں مثل اسکے شہر کہیں نہیں
آئینہ کیا کہنا اس کا اک جام جہاں نما ہے

ذہین

جناب حافظ مولوی عبدالرزاق صاحب حافظ باقوی
رائے چوٹی
(ادیب فاضل، پمدوین)
استاذ سی عبدالحکیم کالج۔ وشارم

دارالعلوم لطیفیہ سے خطاب

اے لطیفیہ علومِ دین و دنیا کے چمن
آسمانِ علم و فن کے آفتابِ ضوفگن

حکمت و علم و ہنر کا قلزمِ ذخّار تو
لاجرم پاتے ہیں موتی جو ہوں تجھ میں غوطہ زن

تجھ میں ہیں اسلاف کی پاکیزہ عظمت کے نشاں
ہے در و دیوار سے تیرے عیاں شانِ کہن

قربی و محوی ہیں تیرے فخرِ قوم و فخرِ دیں
مست کر دیتے ہیں جن کے آج بھی شعر و سخن

تو تو اُن اقطابِ عالمتاب کی ہے یادگار
جن کی چشمِ لطف سے ذرّہ بھی ہو دُرِّ عدن

یہ ریاضِ علم و فن سرسبز ہو شاداب ہو
چرخ پہ جبتک ہوں حافظ مہر و انجم ضوفگن

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور لباس بشری

از جناب مولانا مولوی محمد حاتم صاحب اشرفی مبارکپوری (U.P)
مدرس دار العلوم لطیفیہ کمال حضرت قطب ویلور قدس سرہ

قل انما انا بشر مثلکم اے محبوب فرما دیجئے میں تم جیسا بشر ہوں۔ اس آیت پاک کے ظاہری معنی کو لیتے ہوئے بہت سے لوگ دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہی جیسا بشر مان لیا۔ حالانکہ یہ آیت مقدسہ بقول مفسرین کرام مجمل ہے اس کی تفصیل سرکار جانتے ہیں اور آپ کا رب۔

ہم اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ حضور سرور عالم بشر ہیں لیکن بشریت کا سب سے اعلیٰ اور عدیم النظیر نمونہ جیسا کہ امام شاذلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ھو بشر لیس کلا بشار کان الیاقوت حجر لیس کالاحجار یعنی حضور علیہ السلام بشر تو ہیں مگر ہم جیسے بشر نہیں جس طرح کہ یاقوت پتھر تو ہے لیکن اور پتھروں جیسا نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں جو بشر مثلکم فرمایا ہے یہ آپ کا ایک لباس ہے جسکو بشریت سے موسوم کیا گیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لباس کی تبدیلی سے حقیقت نہیں بدلتی۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی دربار نبوی میں حاضر ہوتے تو پیکر بشری اور ہیئت انسانی میں ہوتے تھے جیسا کہ اکثر آپ کی آمد دحیہ کلبی کی شکل وصورت میں ہوا کرتی تھی۔ جبرئیل کے اس لباس میں آنے سے حقیقت ملکی تو نہ بدلی بلکہ سدرہ اپنی حقیقت ملکی ہی میں رہے ہاں البتہ انکا لباس اور ہیئت بدل گئی۔ اسی طرح بلا تمثیل حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم لباس بشری میں تشریف لائے۔ اس طرح تشریف لانے سے حقیقت نبوی میں کوئی فرق نہیں آتا اور حقیقت مصطفےٰ کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے جیسا کہ خود قرآن پاک کا کہنا ہے قد جاء کم من اللہ نور" یہ ہماری بساط علمی اور ذہنی رسائی کے لئے رب نے فرمایا کہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آپہنچا ہے۔ اس بارے میں تمام مفسرین کرام متفق ہیں کہ نور سے مراد سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ ہے۔ بظاہر اس آیت سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک نور ہیں۔ بس یہی سرکار کی حقیقت ہے۔ حالانکہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہمارے وہم وگمان سے بالاتر ہے۔ چنانچہ سرکار نے خود سیدنا صدیق اکبر سے فرمایا اے صدیق تم ہمیشہ میرے ساتھ سفر وحضر میں رہے بلکہ تم میرے یار غار ہو مگر کبھی یہ بات تمہارے حاشیۂ خیال میں نہ آنے پائے کہ اس صحبت کے اثر سے میری حقیقت سے کما حقہ واقف اور خبردار ہو گئے ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ میری حقیقت کو میرے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں

پہچانا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔

اب رہا سوال لباس بشری پر، اس کو بھی سُن لیجئے، جب کفار مکہ نے سرکار کے متعلق یہ کہا ھو بشر مثلنا وہ ہمارے ہی جیسے بشر ہیں، اس پر پروردگار عالم نے فرمایا اے محبوب! لباس بشری میں گئے ہو اور کفار مکہ تمہاری بشریت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان سے فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ اس آیت مقدسہ کے مخاطب کفار مکہ ہیں۔ انہیں سے یہ خطاب کیا گیا ہے اور اب آئیے رب تعالےٰ حضور کی ذات کے متعلق مسلمانوں سے اس آیت کریمہ میں مخاطب فرما رہا ہے قد جاء کم من اللہ نور بلا شبہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور آ پہنچا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سرور کائنات کے تین لباس ہیں، لباس بشری، لباس ملکی۔ لباس حقی، بحالت بشری لباس کفار سے خطاب کیا گیا، انا بشر مثلکم اور لباس ملکی یہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صوم وصال فرماتے تھے، جس میں کئی دن تک نہ کھانا ہوتا تھا نہ پینا، جس طرح کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے۔ اس فعل حسنہ کی وجہ سے سرکار پر نہ کوئی ضعف تھا اور نہ ہی کوئی نقاہت، شمع نبوت کے پروانوں نے دیکھا کہ حضورؐ صوم وصال فرما رہے ہیں، بعض صحابہ کرام نے سرکار کی سنت پر عمل شروع کیا اور صوم وصال رکھنے لگے۔ ایک ہی روز میں ان کی حالت کمزور ہوگئی اور نقاہت نے آگھیرا۔ اس حالت کو دیکھ کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا تمہاری

یہ حالت کیسے ہوئی اور کمزور کیوں ہوگئے ہو۔ اس پر صحابہؓ کرام نے عرض کیا سرکار ہم آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے صوم وصال رکھ رہے ہیں۔ اسی وقت زبان رسالت سے یہ الفاظ نکلے ایکم مثلی انا ابیت عند ربی وھو یطعمنی ویسقینی یعنی تم میں میرے مثل کون ہے؟ (استفہام انکاری) "میں اپنے پروردگار کے پاس رات گذارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" مذکورہ حدیث شریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شبیہ و مثیل نہیں ہے۔

اور سرکار کا لباس حقی کیا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے ایکمرتبہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور سرکار پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ آپ اسی عالم کیف و بے خودی میں تھے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کواڑ کھولا۔ اس پر سرکارؐ نے فرمایا من انتَ جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں انا عائشۃ اس کے بعد اسی جلال کے عالم میں ذرا تیز لہجہ میں ارشاد فرمایا من عائشۃ صدیقہؓ نے عرض کیا بنت ابوبکر، اس پر بھی سرکار نے فرمایا من ابوبکر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا ابن قحافہ اس پر بھی زبان نبوتؐ سے زور دار جلال بھری آواز نکلی من قحافہ۔ حضرت صدیقہ حیران اور خوف زدہ ہو کر واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد جب نبی کریم صلعم سے یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ سے عرض کیا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں فلاں وقت آپ کے حجرہ میں داخل ہونے کی غرض سے

حاضر ہوئی۔ جوں ہی میں نے کواڑ کھولا' آپ نے بجائے ضمیر تانیث کے تذکیر استعمال کی کہ من انت' میں اسی گھبرا تو گئی لیکن دل کے سکون نے مدد دی کہنے لگی انا عائشہ اس پر بھی آپنے جلال بھری آواز میں ارشاد فرمایا من عائشہ عرض کی بنت ابی بکر پھر آپ نے فرمایا من ابو بکر عرض کی ابن قحافہ اس پر بھی آپ نے جلال بھری آواز میں فرمایا۔ من قحافہ اس کے بعد میری ہمت و جرأت نہ ہوسکی کہ کلام کروں اسی پریشانی میں الٹے پیر واپس چلی گئی۔ وہ کیا بات تھی میری سمجھ میں نہ آسکی۔ اس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اے عائشہؓ سن لو:۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل "یعنی میرے اور میرے رب کے درمیان ایک خاص وقت ہوتا ہے جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ پر مار سکتا ہے اور نہ کسی رسول اور نبی کی گنجائش ہوتی ہے"۔

یہ رہا سرورِ کائنات کا لباسِ حقی۔ جب کبھی آپ اس لباس میں ہوتے تو دنیا و مافیہا کو نظر انداز فرما دیتے اور خالص رب کی تجلیوں میں کھو جاتے۔

ہاں ایک بات رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب لباس پہنا جاتا ہے تو کبھی اس کو اتارا بھی جاتا ہے اور اتار کر کسی دوسرے کو پہنایا اڑھایا بھی جاتا ہے اس ضمن میں نقلی دلائل کے بجائے ایک عقلی دلیل ملاحظہ فرمائیں۔

جب احکم الحاکمین نے اپنے محبوب سے فرمایا' اب ہجرت کا وقت آگیا ہے۔ لہذا مکہ مکرمہ چھوڑ دو اور مدینہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ رات آئی کہ جس میں حضور علیہ السلام ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں۔ کفارِ مکہ تو پہلے ہی سے واقف تھے کہ ایک نہ ایک دن پیغمبر اسلام یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں۔ اسی بنا پر کاشانہ نبویؐ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ہر چہار طرف کفار مکہ ننگی تلواریں لئے ہوئے منتظر ہیں کہ سرکار باہر تشریف لے آئیں تو بھرپور حملہ کر دیں۔ مثل مشہور ہے "جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے"۔ اس درمیان سرکار نے دیکھا مکان بالکل محاصرہ میں ہے' کفار سرکشی پر آمادہ ہیں۔ یہ سب کچھ تھا' لیکن قلب پاک مصطفےٰ نہایت مطمئن اور پرسکون ہے۔ اس لئے آپ کا بھروسہ اپنے رب پر تھا۔ اب سرکار نکلنے والے ہیں' مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ' کو بلایا اور فرمایا اے علی تم میرے بستر پہ آرام کرو۔ میں ہجرت کے ارادے سے جا رہا ہوں۔ میرے ذمہ فلاں فلاں کی امانت ہے' تم اس کو پورے طور سے چکا کر آنا۔ یہ جملہ سننے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دل بیٹھ جاتا اور ان کے سکون کی دنیا لٹ جاتی' مگر فیضانِ رسولؐ یہ ہوا کہ حضرت علی فرماتے ہیں اس رات جس رات میں نے بستر نبوت پر آرام کیا۔ اتنی عمدہ اور بہترین نیند آئی کہ شاید مجھے ایسی نیند زندگی میں کبھی نہ آئی۔ اس پرسکون نیند آنے کا بھی ایک سبب ہے۔ بظاہر میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بستر نبوت پر آرام کرنے کے بعد ان کو وہ معراج حاصل ہوئی' جس کے سبب سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ اس حالت کذائی پر ایک شعر یاد آیا ؎

تیری معراج محمدؐ تو ہے قرب معبود
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

ادھر ارشاد نبوت ہوا اے علیؓ بستر پہ لیٹ جاؤ۔ حضرت

علیؓ بستر نبوی پر لیٹ گئے، اس کے بعد سرکارؐ نے اپنی چادر مبارک علی کو اڑھادی اور روانہ ہوئے۔ یہ چادر عظمت میں تو بلند ہے مگر اس کا وزن ایک معمولی کپڑے ہی کا ہوگا۔ کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فاتح خیبر اس چادر کو از خود نہیں اوڑھ سکتے تھے، اس کے بجائے اڑھائی کیوں گئی؟ معلوم ہوا کہ اس میں بھی ایک راز ہے، وہ یہی کہ سرکار نے خود علیؓ کو چادر اُڑھائی اور صدر دروازہ سے نکلتے ہوئے تشریف لے گئے۔

اب بتاؤ! اگر کفار مکہ دیکھتے تو ان پر تلوار کا وار نہیں کرتے؟ لیکن یہ وار کیا کر سکتے، تمام کفار کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں، کسی نے سرکار کو دیکھا ہی نہیں، وہ دیکھ بھی کیا سکتے اس لئے کہ سرکار نے لباس بشری تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اڑھا دیا تھا، پیکر نوری اپنی اصلی حقیقت کے ساتھ روانہ ہوئے جس کی وجہ سے کوئی شخص سرکار کو نہیں دیکھ سکا اور ہجرت کے سارے مقاصد بآسانی حاصل ہوئے اور آپؐ منزلِ مقصود پر تشریف فرما ہو گئے۔

حاصل کلام اب اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ یہ آیت کریمہ "انما انا بشر مثلکم" کے مخاطب کفار ہیں اور قد جاء کم من اللہ نور اور حدیث ایکم مثلی کے مخاطب مومنین اور صحابہ کرام ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ایک طرف صدیق اکبرؓ کی جماعت ہے، اور دوسری طرف ابوجہل اور ابولہب کی۔ جماعتِ صدیقؓ سے خطاب قد جاء کم من اللہ نور اور ایکم مثلی ہے اور جماعتِ بوجہل سے خطاب انا بشر مثلکم ہے۔ غرض اس چیز سے اتنی بات تو ثابت ہو چکی کہ ہر ایک جماعت کا خطاب الگ الگ ہے۔ اور مقصد بھی جداگانہ

اب فیصلہ لوگوں پر ہے۔ خاتم النبیین حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جیسا بشر سمجھ کر ابوجہل کی جماعت میں شامل ہوں یا سرکار کی ذات گرامی کو اپنی بشریت سے بلند و بالا سمجھ کر صدیق اکبرؓ کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔

غرض واقعات طول ہیں۔ اس طویل گفتگو میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مختصر سی بات یہ ہے لیکن یہ یاد رکھو، ایمان کی جان اور جانِ ایمان ہے۔ رب تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں اپنے نبیؐ کی سچی محبت و عقیدت ڈال دے، تاکہ اس کے ذریعہ ہم کل کے روزِ نجات حاصل کر سکیں۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انساں ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باغِ عرفان

مولوی محمد اکرم ساغر لطیفی کتہ کوٹوی
ادیب فاضل مدرس

عرفاں کا باغ، علم کی جنّت لطیفیہ
آنکھوں کا نور، رُوح کی راحت لطیفیہ

دُنیائے عِلم و فضل کی عظمت لطیفیہ
بے شک خدائے پاک کی رحمت لطیفیہ

جو بھی یہاں پہ آیا، ہُوا بامُراد وہ
دیتا ہے سب کو علم کی دَولت لطیفیہ

مِٹ کر رہی دلوں سے ضلالت کی تیرگی
ہے آفتابِ رُشد و ھدایت لطیفیہ

ساغر ہو کیوں نہ علم کے پیاسوں کا مُدّعا
سرچشمۂ عُلومِ نبوّت لطیفیہ

علم لدُنّی

از: جناب سید عبداللطیف قادری صاحب
B.A. حیدرآباد (اے۔پی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مجسم قرآن تھی۔ آپ کا قول و عمل ہمیشہ مطابق حق و قرآن تھا۔ آپ کی زبان مبارک سے کسی بھی حالت میں کوئی بات خلاف حق نہیں نکلتی تھی۔ ایکدفعہ بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضور ہم میں سے بعض آپ کی ہر بات لکھ لیتے ہیں اور بعض نہیں لکھتے، اس خوف سے کہ حضور بعض وقت غصہ میں ہوتے ہیں۔ کوئی بات زبان سے نکل جائے۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زبان سے کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں نکلتی۔

یہ مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمام علوم عطا کئے گئے تھے اور آپ جَوَامِعُ الْحِلْمِ وَالْکَلِمِ تھے۔ جو علوم قرآن میں مذکور ہیں ان میں ایک علم موسوی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم ہے جیسے ہم علم شریعت یا علم ظاہری بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے علم کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی وہ نبی ہیں جن کو سب سے اول کتاب و شریعت عطا کی گئی۔ دوسرا علم جو حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کیا گیا جس کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے وَآتَیْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا

(یعنی ان کو ہم نے اپنے پاس سے علم عطا کیا۔)

اس علم کو علم طریقت یا علم لدُنّی بھی کہتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں صحابۂ کرام کو شریعت کی تعلیم دی اور خود آپؐ نے بھی ایک عام انسان کی طرح دنیاوی زندگی بسر کی اور اس بات کی عملی تعلیم دی کہ کس طرح حدودِ شریعت میں رہ کر تقاضائے بشریت اور ضروریات زندگی کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مسائلِ شریعت و مطالبِ قرآن بھی صحابۂ کرام کو بتلائے، ان کے استفسارات کے جواب عطا فرمائے۔ صحابہ کو قرآن کریم کی تعلیم دی اور ان سے سن کر صحت کی تصدیق کی بعض کو امامت اور بعض کو فتاویٰ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اکثر صحابۂ کرام نے حضورؐ کی تعلیمات کو آپ کی رضامندی ہی سے حضور کی زندگی میں قلمبند کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں قرآن کی تدوین عمل میں آئی۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ نے سب سے پہلے احادیث کو جمع کیا، اور صحتِ احادیث کی جانچ کی اور پھر اپنا مجموعۂ احادیث مؤطا مرتب کیا۔ غرض اس طرح علم شریعت ضبط تحریر میں آیا۔

اس کے بعد سے اس کے باضابطہ درس دئے جاتے ہیں۔ کتابیں جمع ہوی ہیں۔ اور فارغ التحصیل طلباء کو اسناد

اور اہل طلباء کو سلسلۂ درس وتدریس جاری کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

اب آئیے علم خضری یا علم لدنی کی طرف، حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح علم شریعت کی تعلیم فرمائی اسی طرح علم طریقت کی بھی تعلیم فرمائی جیسا کہ سورۂ کہف کی آیت وَ اٰتَیۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا اور اس کے بعد آنے والی آیتوں سے ظاہر ہے کہ یہ علم موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی عطا نہیں کیا گیا۔ اسی لئے حضورِ اکرم صلعم نے بھی یہ علم مخصوص صحابہ کو عطا فرمایا اور ان کو اس علم کے سلسلۂ تدریس کو جاری کرانے کی اجازت عطا فرمائی جسے زبان طریقت میں خلافت کہا جاتا ہے۔

اس جگہ اکثر نادان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام میں کسی سے کوئی کرامت یا خرق عادت بات نہیں دیکھی گئی، اس اعتراض کے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ آفتاب نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے اصحاب کرام کے درمیان موجود تھے۔

سورج کی روشنی میں چاہے کتنے ہی چراغ جلائے جائیں یا کتنی ہی زیادہ طاقت کے بلب روشن کئے جائیں ماند پڑ جاتے ہیں، معلوم ہونا چاہئے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد اکثر صحابۂ کرام سے کرامتیں اور خوارق عادات ظاہر ہوئے ہیں جن کے ثبوت تاریخ میں اکثر ملتے ہیں جیسے جنگ قادسیہ کے وقت حضرت عمرؓ کا مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے پکارنا اور اسلامی فوج کا ہزاروں میل دور میدان جنگ میں آپ کی آواز کو سننا اور آپ کے حکم پر عمل پیرا ہو کر اپنی متوقع شکست کو فتح میں تبدیل کرنا۔

ان تمام باتوں اور آیت قرآن سے علم لدنی، یا علم روحانی کا وجود تو ثابت ہو گیا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ شریعت کی طرح یہ علم تحریری صورت میں ہمیں کیوں نہیں ملتا اور اس کی تعلیم بھی علم شریعت کی طرح کھلے عام مدرسوں میں کیوں نہیں دی جاتی؟

سب سے پہلے سورۂ کہف کی اس آیت کو لیجئے، آتیناہ من لدنا علما یعنی ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم عطا کیا۔ مطلب یہ کہ بغیر اس کی جستجو کے ہم نے اپنے پاس سے علم ودیعت کیا علمناہ علما نہیں فرمایا جیسا کہ دوسرے مقامات میں ارشاد باری ہے عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ یا عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ

غور طلب بات ہے کہ ودیعت کرنے یا عطا کرنے اور تعلیم دینے میں بہت فرق ہے۔ جن علوم کی نسبت لفظ عَلَّمَ یا تَعَلَّمَ آیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تمام علوم ہم کو صورت تحریر نظر آتے ہیں یا صورت تحریر میں تھے ضرور مگر انقلابات زمانہ سے معدوم ہو گئے۔ خود قرآن کریم میں جا بجا ان پیغمبروں کے ذکر میں جن کو شریعت عطا فرمائی تھی ارشاد تعالیٰ ہے۔

ان کو ہم نے کتاب عطا کی، مگر حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کسی طرح کی صراحت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وآتیناہ من لدنا علما کہا گیا ہے۔ یہ علم جو خدا کی ودیعت ہے ضبط تحریر سے باہر ہے اور اس کا ظرف قلب وسینہ ہی ہے جہاں یہ سما سکتا ہے۔

چونکہ یہ علم علم الٰہی کا ایک حصہ ہے۔ علم شریعت کی

طرح اس کو معین و محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس کا ضبط تحریر میں آنا خلافِ مصلحت بھی ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو اپنی شریعت کی عام تعلیم کی تاکید فرمائی۔ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ احکامِ الٰہی کو اپنی امتوں تک پہنچائیں اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ لدنی حاصل تھا لیکن تبلیغ دین وشریعت کا حکم دیا گیا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو یہ حکم کہیں نہیں دیا گیا کہ وہ اپنے اس علم کی (جس کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس سے عطا فرمایا تھا) تعلیم عام کریں۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ یہ علم سب کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علم ہر ایک کی سمجھ میں آنے والا نہیں۔ جیسا کہ قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو سمجھ نہ سکے۔ اور آخر میں ان کو اپنی شرط کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام سے جدائی اختیار کرنی پڑی۔ اور حضرت خضر علیہ السلام سے ان واقعات کی توجیہہ سن کر خاموش ہو رہے۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علم طریقت پر معترضین کی تعداد اس قدر زیادہ ہے تو ہمیں تعجب نہیں ہوتا۔ اکثر بزرگانِ دین کور چشم وکور باطن معترضین سے جو اغماض کرتے آئے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے پاس ان اعتراضات کے جواب نہیں تھے، بلکہ وہ جانتے تھے کہ یہ علم ان کی سمجھ میں آنے والا نہیں۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت عطا کی گئی اور آپ پر قرآن کا نزول ہوا اسی طرح علمِ لدنی بھی عطا ہوا۔ مگر جس طرح کہ قرآن کریم اور احکام الٰہی بذریعۂ وحی یا جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اس طرح علم کے حضور تک کسی واسطے کے ذریعہ پہنچنے کی سند نہیں ملتی۔ یعنی یہ علم بلا واسطہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ یہ بات خود اس بات پہ دلیل ہے کہ یہ علم حیطۂ تحریر سے باہر ہے کسی میں یہ سکت نہیں کہ اس علم کو تحریر کی صورت دے سکے۔ اس میں شک نہیں، کہ بعض اولیاء کرام کی چند تصانیف تصوف پر ملتی ہیں مگر یہ ان کے علم باطنی کا ایک معمولی سا عکس ہے اور اس علم کے ایک پہلو یہ مبادیات میں سے ہیں اور رضائے الٰہی سے تحریر میں آئی ہیں۔ اصل علم لدنی ان میں بھی نہیں ملتا بلکہ یہ صرف جویانِ حق کو راستہ اور منزل کی سمت بتاتی ہیں۔ اصل علم تو سینہ بہ سینہ ہی ملتا ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں اس کے ضبطِ تحریر میں لانے کی اجازت کسی کو دی ہو، جس طرح کہ قرآن و احادیث کے بارے میں اجازت عطا کی تھی۔

آئیے اب ایک چیز جو رہ گئی ہے وہ بھی دیکھیں کہ آیا حضورؐ نے اپنے نفس پر ایسی سختیاں بھی اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کی خاطر اٹھائیں بھی ہیں جیسی کہ اولیائے کرام نے برداشت کیں اور ان کی اسی بات کو اکثر ایسے علمائے شرع نے جو صرف ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں موردِ الزام اور خلافِ شرع وسنت قرار دیا۔

ناظرین! اوامر ونواہی وہ ہیں جن چیزوں کو

کرنے کا حکم شریعت میں موجود ہے اور جن چیزوں کے کرنے سے شرع میں صریح ممانعت آئی ہے، اس کے خلاف کرنے والا تارک شرع ہے۔

جن چیزوں کے متعلق شرع ساکت ہے ایسی چیزوں کے اختیار کرنے یا ترک کرنے سے کوئی بات بھی خلاف حکم نہیں، اور نہ ایسا شخص تارک شرع کہلاتا ہے۔ سنت وہ عمل ہے جس کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی بعض باتیں ایسی ہیں جنکو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کیا تھا مگر دوسروں کو اس کے کرنے سے منع کیا تھا۔ جیسے وقتِ واحد میں چار سے زاید شادیاں کرنا مسلسل وبلا وقفہ دو ماہ کے نفل روزہ رکھنا وغیرہ، اس کے ساتھ ہی بعض باتیں ایسی بھی ہیں گو کہ جن کے عمل کا حکم صریح شرع میں تو موجود نہیں، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار کیا تھا۔ اور دوسروں کو نہ تو ان کے کرنے کی تاکید کی تھی اور نہ ہی منع فرمایا تھا۔ اگر کوئی شخص حبِ نبیؐ میں اور آپ کی پیروی میں ان اعمال کو اختیار کرتا ہے جو عوام کے نفس پر گراں ہیں تو اس کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے دل میں بہ نسبت دوسروں کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت زیادہ ہے۔

کتب تواریخ و سیر سے ثابت ہے کہ حضورؐ نفل نمازیں اس کثرت سے پڑھا کرتے تھے کہ تقریباً رات بھر نمازوں میں ہی گذار دیتے تھے، جس کی وجہ سے اکثر پیر مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل کی پیروی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ اپنی راتیں یادِ الٰہی اور عبادت میں گذار دیتے تھے۔ جو ایک آدمی کے نفس پر بعید گراں ہے۔ گو کہ ایسا نہ کرنے والا گنہگار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ چیز اوامر و نواہی میں شامل نہیں۔

یہ بھی کتب سیرت و تواریخ سے ثابت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کا عالم طاری ہوا اور ملک الموت اللہ رب العالمین کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور پیغامِ الٰہی پہنچا کر روح مبارک قبض کرنے کی اجازت حاصل کی تو حضور نے جواب دیا کہ جتنی سختی ہو سکے میری روح قبض کرتے وقت کر لینا مگر میری امت کی روح آسانی سے قبض کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہُ ابی وامی نے امت کی سختیاں اپنے پر لے لیں اور امت کی سختیوں کو کم کر دیا۔

اگر ہم یہ کہیں کہ فلاں بزرگ یا فلاں مرشد نے اپنے مریدین و متوسلین پر آنے والی آفات و سختیوں کو اپنے اوپر لے لیا اور ان کو اس سے نجات دلا دی تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی، اور یہ ایسی سنت ہے جس کی پیروی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، کیونکہ یہ مشکل ترین اور آخری سنت ہے، اس پر عمل پیرائی اسوقت تک ممکن نہیں جب تک کہ پہلے کی تمام سنتوں کی پیروی نہ کی جائے جو اس سنت کی پیروی کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس کی بزرگی کا اندازہ ممکن نہیں مگر افسوس کہ کور چشم اور کور باطن اس حقیقت کو نہ دیکھ کر اپنے بے جا اعتراضات پر مُصر رہتے ہیں، اور خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

اس کے برعکس بزرگان کرام سے محبت و عقیدت اور

دوستی کے فائدوں کا اندازہ صرف ذیل کے واقعہ سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ ایک زبردست عالم تھے۔ ان کی بزرگی کا اندازہ صرف اس بات سے ہی کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ امام لکھا جاتا ہے۔ امام رازیؒ اور حضرت نجم الدین کبری قدس سرہٗ جو اپنے وقت کے ایک زبردست بزرگ تھے۔ دونوں میں باہم دوستی و مودت تھی، ایک روایت یوں ہے کہ امام رازیؒ آپ کے مرید تھے۔ ایک دن حضرت نجم الدین کبریؒ نے وضو کرتے ہوئے اپنے چلّو میں پانی بھرا اور سورۂ اخلاص پڑھ کر پانی کو اچھال دیا۔ اس طرح آپ نے اس عمل کو تین دفعہ دہرایا۔ مریدین و خادمین جو کہ حاضر تھے اس غیر معمولی عمل سے متعجب ہوئے اور اس بارے میں آپ سے دریافت فرمایا تو حضرت نے فرمایا کہ امام رازیؒ کا آخری وقت تھا اور بستر مرگ کے قریب شیطان کھڑا امام صاحب سے خدا کے ایک ہونے کی دلیلیں مانگ رہا تھا اور جو دلیل امام صاحب دیتے اس کو رد کر دیتا۔ امام صاحب پھر دوسری دلیل دیتے اس کو بھی رد کر دیتا۔ اس طرح امام صاحب نے خدا کی وحدانیت پر ننانوے ۹۹ دلیلیں دیں۔ اور شیطان نے ان کو رد کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ عاجز ہو جاتے اور شیطان کے رد کو مان لیتے، میں نے سورۂ اخلاص پڑھ کر پانی پھینکا کہ "کہہ اللہ ایک ہے اور بے دلیل اس کو ایک مان" چنانچہ اس کے ساتھ ہی شیطان بھاگ گیا اور امام صاحب نے کلمہ پڑھا اور ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

ناظرین! یہ صرف ایک اللہ والے کی دوستی کا کرشمہ تھا ورنہ زندگی بھر کی محنت اکارت جاتی۔

بہر حال اس کے متعلق جتنا لکھا جائے کم ہے۔ یہ ایک عظیم سمندر ہے جس کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ بھی کوئی نہیں کر سکتا۔

گلہائے عقیدت

از
سید محمد حنیف
غازی کھپرلوی A.P
متعلم زمرۂ سادسہ دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطبؒ ویلور
(قدس سرہٗ)

گذر اپنا درِ اقدس پہ گر اکبار ہو جائے
تو تسکینِ نظر شاداں دلِ بیمار ہو جائے

نگاہِ لطف آقا آپ کی اکبار ہو جائے
یہ طوفاں چیز کیا کشتی بھنور سے پار ہو جائے

صلہ ہم پا گئے اپنی محبّت کا عقیدت کا
عبث ہے دفترِ عصیاں جو نظرِ یار ہو جائے

شفیعِ اُمّتِ عاصی سہارا بے سہاروں کا
جو آئے آپکی رحمت میں بیڑا پار ہو جائے

لپٹ کر گنبدِ خضریٰ سے عاصی عرض کرتے ہیں
ہیں اُمّت آپکی نظرِ کرم اکبار ہو جائے

مجھے جنّت کی خواہش ہے نہ چاہت حور و غلماں کی
زیارت مجھ کو طیبہ کی مرے سرکار ہو جائے

عطا کیا کیا نہیں غازی ہوا ہے تجھ کو الفت میں
بس اب خاکِ درِ یثرب سے تو سرشار ہو جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک متبرک رات

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

انسان کی اصلاح کا دار و مدار انبیاء و رسل کی دعوت و تبلیغ پر لبیک کہتے ہوئے اُن پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ احکامات الٰہی پر گامزن ہونے ہی سے عبد و معبود کے فرق کے ساتھ عبد کی عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔ عبادت و ریاضت ہی سے انسان کو قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ عبادت ایک ایسا جوہر ہے جس سے روحانیت پروان چڑھتی ہے اور جس سے سارے گناہ حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ دُنیاوی اُمور کی طرح دینی اُمور میں بھی یہ مسلم امر ہے کہ برکاتِ ربانی حاصل کرنے کا ایک مخصوص زمانہ ہوتا ہے، جس سے ہر مُسلمان فیضیاب ہوتا ہے، وہ ہے رمضان شریف، جو ہر سال بے شمار برکتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے آتا ہے اور گناہگاروں سیہ کاروں کو دوزخ کے شدید پنجے سے نجات دلاتا ہے اور یہ ماہِ مبارک اپنے ہمراہ ایک ایسی رات لاتا ہے جو ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل و بزرگ تر ہے۔ تمام مہینوں میں رمضان مبارک کو جو فضیلت حاصل ہے وہی فضیلت تمام راتوں میں شبِ قدر کو ہے جو رمضان ہی کی راتوں میں سے ایک رات ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، وما ادرٰک ما لیلۃ القدر، لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر۔ بیشک ہم نے اتارا قرآن مجید کو (لوح محفوظ سے آسمانی دنیا پر) شب قدر میں اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل ہے، اترتے ہیں فرشتے اور جبرئیلؑ اس رات میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر ایک خیر و برکت کے کام سے وہ سلامتی کی رات ہے، اس رات میں فرشتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ صبح صادق تک رہتا ہے۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن حکیم جیسی عظیم کتاب کا نزول لوح محفوظ سے آسمانی دنیا میں ہوا اور اس رات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا ہوی۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا ہزار مہینوں کی راتوں سے افضل ہے۔ اس رات کی عبادت سے جو حلاوت و کیفیت حاصل ہوتی ہے وہ دوسری راتوں میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس رات میں شام سے لیکر صبح تک تجلی الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس مقدس رات میں فرشتوں کو پیدا کیا اور اسی رات

میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا خمیر تیار کیا۔ لہٰذا اس رات میں جو جاگ کر عبادت میں مشغول رہتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بہت بڑا ثواب عطا فرماتا ہے اور اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں، نیز ہماری دعاؤں کے وقت آمین کہتے ہیں، پھر کیوں نہ اس رات میں ہر دعا مقبول ہوگی۔

جس طرح حضرت ابراہیمؑ آتش نمرود سے محفوظ تھے اسی طرح امتِ محمدیہؐ بھی اس رات کی برکت کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گی۔ لفظ قدر عظمت وبزرگی کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ لیلۃ القدر اپنے اندر بے شمار برکات اور شرف وبزرگی رکھتی ہے۔ اسی لئے اس کو شب قدر کہا جاتا ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ شب قدر میں بنی نوع انسان کی ہدایت ورہبری کے لئے وہ مقدس وجامع کتاب نازل ہوئی جو دین و دنیا کی فلاح وبہبودی وشادکامیوں کی ضامن ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب لیلۃ القدر آتی ہے تو اللہ رب العزۃ حضرت جبرئیل امین کو حکم دیتے ہیں کہ وہ زمین پہ جائیں اور فرشتوں کو لیکر ہمارے بندوں کی زیارت کریں۔ سدرۃ المنتہیٰ کے ستر ہزار فرشتے نورانی علم لئے ہوئے زمین پر اترتے ہیں اور ان چار متبرک مقامات پر، یہ جھنڈے نصب کرتے ہیں، وہ مقامات یہ ہیں۔ مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ، مسجد بیت المقدس، مسجد طور سینا۔ پھر حضرت جبرئیل امین فرشتوں کو زمین پہ منتشر ہو جانے کا حکم فرماتے ہیں۔ امتِ محمدیہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جس میں فرشتے داخل نہ ہوتے ہوں سوائے ان پانچ گھروں کے۔ پہلا گھر جس میں کتا ہو، دوسرا گھر جس میں سوّر ہو، تیسرا جس میں شراب یا شرابی ہو۔ چوتھا جس گھر میں زانی ہو، اور پانچواں جس گھر میں جاندار چیزوں کی تصاویر ہوں۔ چنانچہ یہ فرشتے مومنوں کے گھروں میں جاکر تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور امتِ محمدیہ کے لئے دعا اور استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے تو آسمان پہ چلا جاتے ہیں۔

اور مذکورہ آیت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر الخ کا نزول ہی اس لئے ہوا تاکہ امتِ محمدیہ عبادات وریاضات جیسے انمول جواہرات سے مالامال ہوں۔ دراصل اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا ذکر صحابۂ کرام کے روبرو ارشاد فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ وہ ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہا۔

صحابۂ کرام نے جوں ہی سنا ان کی حیرت وتعجب کی کوئی انتہا نہ رہی اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس حسرت کا بھی اظہار کیا کہ یا رسول اللہؐ بنی اسرائیل کی عمریں طویل ہوا کرتی تھیں جسکی وجہ وہ ہزار سال عبادت اور جہاد سب کچھ کرتے تھے، مگر ہماری عمریں اتنی دراز نہیں کہ ہم بھی ان کے درجے تک پہنچ سکیں تو اسی وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ کو نازل فرمایا کہ:۔

لیلۃ القدر خیر من الف شھر الخ اور ہزار مہینوں کی مدت ٹھیک 83 سال چار مہینوں کی ہوتی ہے گویا اس

رات کی بدولت حضرت انسان ۸۳ سال چار ماہ کی عبادت کا ثواب حاصل کر لیا۔ لہٰذا اگر ہم ہر سال جستجو کر کے اس رات کو پالیں تو یقیناً ہم بھی بنی اسرائیل کے عابدوں سے کم نہ ہوں گے۔

یہ ثابت ہے کہ رمضان شریف کے تیس ۳۰ دنوں میں اول کے دس دن رحمت کے ہوتے ہیں، دوسرے دس دن مغفرت کے اور مہینہ کا آخری حصہ دوزخ سے نجات کا ہوتا ہے۔ اور اسی تیسرے حصہ میں لیلۃ القدر واقع ہے جس کو اللہ رب العزت نے بندوں سے پوشیدہ رکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس رات کی تعین میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ آپ کا ارشاد ہے کہ رمضان کے آخری دس دن کی طاق راتیں (اکیس ۲۱، تیئیس ۲۳، پچیس ۲۵، ستائیس ۲۷ انتیس ۲۹) میں شب قدر تلاش کرو۔ اس لئے علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ اکثر علمائے کرام یہ کہتے ہیں کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے قوی تر روایت یہی ہے کہ وہ اکیسویں ۲۱ یا تیئیسویں ۲۳ شب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے پاس قوی تر روایت ستائیسویں شب ہے۔ اور وہ توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ رب العزۃ قرآن حکیم کے سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کے لفظ کو تین مرتبہ استعمال کیا ہے اور اس لفظ میں نو ۹ حرف ہیں۔ اس لحاظ سے تین ۳ نو ۹ ستائیس ہوئے۔ گویا شب قدر ستائیس ہی کو واقع ہو گی۔ نیز یہ بھی توجیہہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک صحابی رمضان شریف میں سمندر میں کشتی کے ذریعہ سفر کر رہے تھے جب رمضان کی ستائیسویں رات آئی تو خیال ہوا کہ ہو نہ ہو آج ہی شب قدر ہے۔ چنانچہ آپ وضو کرنے کی غرض سے جب سمندر کے پانی کو منہ میں لیا تو بالکل میٹھا تھا۔ آپ متحیر ہوئے۔ اور ایک جزیرے میں نماز کے لئے قیام کئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں کے تمام درخت بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہیں، اور ہوا کے جھونکوں سے خوشبو مہک رہی ہے۔ آپ سمجھ گئے، کہ یہی شب قدر ہے۔ اس لئے آپ تمام رات میں عبادت میں مصروف رہے، جب صبح ہوی تو تمام درخت اصلی حالت پر آ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ستائیسویں رات ہی شب قدر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ناظرین! شب قدر کو اللہ رب العزۃ ہم سے پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما دیتا کہ فلاں رات ہی شب قدر ہے، تو ہر بندہ اس رات میں جاگ کر عبادت کرتا اور یہ سمجھ کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا کہ میں ہزار مہینوں کی عبادت کا ثواب حاصل کر لیا۔ اب عبادت و ریاضت کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ اس طرح بےخبری سے آرام و راحت اور شہوات نفسانی و لذتِ دنیاوی میں بقیہ زندگی گذار دیتا مگر شب قدر کی علامتیں ہمارے سلف صالحین نے بیان کی ہیں۔ چونکہ بالیقین وہ شب قدر کی حلاوت و شیرینی سے لطف اندوزی حاصل کئے ہوں گے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت محبوب سبحانیؒ فرماتے ہیں کہ:-

"شب قدر کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ اس میں سردی و گرمی نہیں ہوتی اور اس رات میں کتے کی آواز سنائی نہیں دیتی اور رات ختم ہونے کے بعد صبح سویرے سے سورج اس طرح نکلتا ہے جیسے اس

ہیں روشنی نہیں ہے، وہ ایک طشت کے موافق دکھائی دیتا ہے۔" (غنیۃ الطالبین)

ایک حدیث میں ہے، حضرت انس رضؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب قدر میں حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اُترتے ہیں اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے ہوئے عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ سب فرشتے خیر و رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرماتا ہے، اور مسلمانوں کے تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ اس شب میں پوری کوشش کے ساتھ تراویح اور نفل نمازیں پڑھیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کریں، تسبیح و تہلیل اور استغفار و توبہ کثرت سے کریں۔

اس رات میں کسی تعجب انگیز چیز کا دکھائی دینا ضروری نہیں، البتہ کوئی نور یا تجلی نظر آئے تو یہ امر امکان سے بعید بھی نہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا یہ دُعا مانگنا اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ، ترجمہ: اے اللہ تو بڑا معاف فرمانے والا ہے اور عفو کو پسند فرماتا ہے، تو مجھ کو بخش دے۔

حضرت سفیان ثوری رضؓ فرماتے ہیں کہ اس رات کی دُعا اللہ تبارک و تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے، یہ برکت و سلامتی اور امن و امان والی رات ہے۔ نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ ترجمہ: جو شخص ثواب کی نیت اور ایمان و احتساب کے خیال سے شب قدر میں بیدار رہیگا تو اس کے تمام اگلے گناہ بخش دئے جائیں گے۔

غرض یہ شب قدر ایسی رات ہے جس کی حقیقی شان اور فضیلت اگر امت محمدیہ کو معلوم ہو جاتی تو ہر ماہ شب قدر کو پانے کی تمنا کرتی۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اس کی قدر کریں اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

بس دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی متبرک رات سے مشرف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نشانِ منزل

پیش کش

حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی معلم دار العلوم لطیفیہ

شہر ادھونی تاریخی اعتبار سے ایک ذی شان حیثیت کا حامل ہے۔ اس شہر کو تین سو سال قبل اسلامی ریاستوں کا صوبائی مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا علم و ادب میں بھی اس کا نمایاں اور اہم کردار رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک زمانہ میں ادھونی گنجینۂ علوم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہاں ہر دور میں بے شمار علماء، فضلاء، صوفیاء، اولیاء، مجذوب، ادباء اور شعراء گذرے ہیں۔ مؤخر الذکر گروہ (شعرا) کی آج بھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ اہل ادھونی اردو ادب کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ بالخصوص یہاں کے نوجوان طبقہ میں شاعری کا خاصہ ذوق ملتا ہے جس کا ثبوت یہاں منعقد ہونیوالے مشاعرے اور انجمن ہیں۔ ذیل میں ادھونی کے ایک باکمال شاعر مولانا مولوی **داروغہ محمد ابراہیم صاحب فصیحؔ** کی "نشانِ منزل" کے نام سے ایک خوبصورت غزل ہدیۂ "اللطیف" ہے۔

انشاء اللہ وقت کا تعاون اور حالات سازگار رہیں تو ادھونی کی عظیم الشان ہستیوں پر قلم کو جنبش دی جائیگی۔

قریشی

[illegible]

فصیحؔ

علم اور عمل

از — شفیق حسین شاہ
ادیب فاضل مدرس اورینٹل
متعلم ایم اے عربک
دارالعلوم ...

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
(سعدی علیہ الرحمہ)

صاحب علم کیلئے اسکا علم اسی وقت زینت کا باعث ہوتا ہے جبکہ اس پر عمل پیدا ہو، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ علم کے اندر نکھار اور کشش پیدا کرنے والی چیز صرف عمل ہے۔ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ جہاں بھی تحصیل علم کی ترغیب دی گئی، وہیں اس پر عامل ہونے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علےٰ کل مسلم ومسلمۃ یعنی علم کی تحصیل ہر مسلمان مرد، اور عورت پر فرض ہے۔ دنیا میں بے حساب علوم موجود ہیں لیکن یہاں علم سے مراد علم دین ہے۔ حضورؐ کا تحصیل علم کو فرض قرار دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کو علم دین کے حصول سے گریز نہیں ورنہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے مقام پر حصول علم کے لئے اس طرح تنبیہ فرماتے ہیں :۔

"علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں ملک چین بھی جانا پڑے"

یہاں چین کا استعمال بطور مثال ہوا ہے۔ درحقیقت اس سے علم کی فضیلت بتلانا مقصود ہے کہ علم کسی دنیا کے گوشہ میں بھی کیوں نہ ہو تم طلب کرو۔

جو شخص علم سیکھنے کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور اس کے قدموں تلے پر بچھاتے ہیں، اور ساری مخلوق خداوندی اسکے حق میں مغفرت کی دُعا کرتی ہے یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اس کے لئے دُعا کرتی ہیں۔

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کی باتیں کرنے کے لئے آتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے ارشاد فرمایا، اے قبیصہؓ تم راستہ میں جس چٹان یا مٹی کے ٹیلے کے اوپر سے یا کسی درخت کے سایہ کے نیچے سے گذرے ہو تو یہ تمہاری مغفرت کی دُعائیں کی ہیں (طبرانی)۔

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طالب علم کا ہر فعل یہاں تک کہ اس کا جوتا پہننا موزہ استعمال کرنا، اور اس کا کوئی کپڑا پہننا ان سب افعال پر اللہ اس کے گناہ بخشتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صبح کے وقت اگر کوئی شخص قرآن

کی ایک آیت یا علم کا ایک باب سیکھنے کی غرض سے نکلے
تو میرے نزدیک ہزار نفل نماز کی ادائیگی سے بہتر ہے یہاں
تک کہ طالب علم اثنائے تعلیم میں فوت ہو جائے، تو وہ شہید
کا مرتبہ پاتا ہے۔ الغرض علم دارین کی ایک ایسی دولت ہے
جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسکی فضیلت کا اندازہ اس
سے ہوتا ہے کہ انسان کے فوت ہو جانے سے اس کے اعمال
وافعال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں ایسی ہیں،
جو ہمیشہ باقی رہتی ہیں۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسری نیک
اولاد جو اسکی مغفرت کیلئے دعا کرتی رہے اور تیسری چیز
علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہوں۔

حاصل کلام علم دین کی تحصیل سے کوئی مسلمان چھٹکارا
نہیں پا سکتا۔ اب رہا عمل یہ، تو علم کے لئے انتہائی ضروری
ہے اس کے بغیر علم علم نہیں۔ ہر عالم کا فرض ہے کہ وہ
اپنی جانی ہوئی چیزوں پہ عمل پیرا ہو۔ بے عمل عالم کے
متعلق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
علم کے ساتھ عمل کرو کیونکہ بے عمل عالم بے جان جسم ہے،
ایک شاعر کا کہنا ہے کہ جو شخص عالم ہے اور عمل کی سعادت
سے محروم ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جس کے پاس عمدہ
ہتھیار موجود ہوں لیکن اس کے استعمال سے ناواقف ہو۔

الغرض بے عمل عالم دنیا و آخرت دونوں مقام
میں ناکام و نامراد رہتا ہے اور قیامت کے روز انتہائی
دردناک عذاب بے عمل عالم پہ ہوگا اور یہ حقیقت ہے کہ
اگر کوئی شخص خود کسی چیز پہ عامل ہو جائے اور جب
دوسروں کو نصیحت کرے تو وہ بے حد اثر انداز ہوتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن نے ارشاد فرمایا۔

لم تقولون مالا تفعلون ترجمہ، تم کس لئے
کہتے ہو جس پہ کہ تم خود عامل نہیں۔

ایک مرتبہ کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے
دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا علم فاضل
تر ہے۔ آپ نے کہا عمل، پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون سا
علم فاضل تر ہے پھر آپ نے فرمایا عمل۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔
یا رسول اللہ میں علم کے متعلق پوچھ رہا ہوں نہ کہ عمل۔ آپ
نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ تھوڑا عمل بہتر ہے اس کثیر
علم سے جو جہالت کا باعث ہوتا ہے۔

عمل ہی سب کچھ ہے، چنانچہ ان نیک اعمال ہی کا
نتیجہ تھا کہ بنی اسرائیل کے تین افراد نے ایک بڑی مصیبت
سے نجات حاصل کی۔ واقعہ ہے کہ تین شخص شکار کے ارادے
سے جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ اچانک درمیان راہ میں
خوفناک ہوائیں اور بارش شروع ہوگئی۔ یہ لوگ پہاڑ کے
ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہوا تند تیز تھی اور بارش
بھی زوروں سے ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بڑی چٹان اس
غار پہ آگری، جس کی وجہ سے غار کا منہ پوری طرح بند
ہوگیا جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اور بدن
میں لرزہ شروع ہوگیا۔ ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں
آرہی تھی کہ کیسے اس غار سے ہمیں نجات ملیگی۔ بالآخر
مجبور ہوکر ہر ایک نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا۔ ان میں سے
ایک نے کہا میں تو زندگی میں کوئی عمل نہیں کیا۔ ہاں تھوڑا
سا عمل یہ ہے کہ ایک مرتبہ میری چچا زاد بہن فاقہ کشی کی تاب

نہ لاتے ہوئے میرے پاس دس دینار کی امداد طلب کی، تو میں نے کہا دس دینار اس وقت دوں گا جبکہ تم اپنے نفس کو میرے حوالہ کردو۔ چچازاد بہن نے کہا، اس میں شک نہیں میں اپنے نفس کو تمہارے حوالہ کردونگی لیکن تم خدا کا خوف کرو۔ ان الفاظ کے سننے کے بعد میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اور خوف کے مارے میرے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس کے بعد اپنی چچازاد بہن کو دس دینار دے کر روانہ کردیا۔ بس یہی میرا ایک عمل ہے، اگر اس کے ذریعہ مجھے خدا بچائے تو اس کا شکر ہوگا۔ ان کلمات کی ادائیگی کے بعد ایک بالشت چٹان غار سے ہٹ گئی۔

دوسرے نے کہا میں بھی اپنی زندگی میں کوئی عمل نہیں کیا البتہ تھوڑا عمل کیا ہوں وہ یہ کہ میرے پاس بکریوں کا ریوڑ تھا اور میرے ناتوان وضعیف الدین بھی موجود تھے۔ ہر روز ان بکریوں سے دودھ دوہ کر اپنے والدین کو پلاتا، اس کے بعد بچا ہوا اپنی بیوی اور بچوں کو پلاتا، لیکن ایکمرتبہ دودھ دوہنے میں کچھ تاخیر ہوگئی تو میرے والدین سو چکے تھے۔ میری طبیعت نے گوارہ نہیں کیا کہ انہیں بیدار کیا جائے۔ اس لئے دودھ لئے ہوئے میں ایسا ہی کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ جب صبح والدین بیدار ہوئے تو میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اس وقت میرے لئے والدین دعائیں دینے لگے۔ بس یہی میرا ایک عمل ہے۔ اگر تجھ کو پسند ہے تو میری امداد کر، بس ان کلمات کے بعد چٹان ایک اور بالشت ہٹ گئی۔

تیسرا شخص بھی اپنے اعمال کو یاد کیا اور کہنے لگا، میں اپنی زندگی میں کوئی عمل نہیں کیا۔ البتہ تھوڑا سا عمل یہ ہے کہ میں ایک عمارت تعمیر کروایا۔ جب تمام عمارت مکمل ہوئی، تو مزدوروں نے مجھ سے اپنی اجرت حاصل کی۔ لیکن ایک مزدور نے کہا کہ میری مزدوری آپ ہی بطور امانت رکھ لیں۔ جب میں آپ سے مزدوری طلب کروں تو اسوقت دے دینا۔ یہ مزدور گئی دنوں تک اپنی اجرت لینے نہیں آیا۔ بالآخر میں نے اسکی مزدوری تجارت میں لگا دی جس سے بکریوں کا ایک ریوڑ ہوگیا اور ان ہی پیسوں سے بہت سی زمینات کا مالک ہوگیا۔ جب وہ شخص واپس آیا اور اپنی اجرت طلب کی تو میں نے ان بکریوں اور زمینات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ لے جائیے تیری مزدوری ہے وہ تعجب سے پوچھا کہ کیا آپ کو مجھ غریب سے مذاق سوجھا ہے، تو پھر میں نے یہی کہا کہ یہی تیری مزدوری ہے، لیجا۔ تو اس نے پھر بھی یہی الفاظ دہرائے بالآخر میں نے اسکی تمام تفصیل بیان کی اور اسکو ان بکریوں کے ریوڑ کے ہمراہ روانہ کردیا۔ بس یہی میرا ایک عمل ہے جس کو میں اپنی زندگی میں کیا اگر تجھکو یہ عمل پسند آگیا ہو تو قبول کرلے۔ ان کلمات کے بعد چٹان ایک اور بالشت ہٹ گئی۔ اور اتنی ہٹ گئی کہ یہ تینوں غار سے صحیح سالم باہر نکل گئے۔

الغرض عمل بہت بڑی چیز ہے۔ ہر عالم کا فرض اولین ہے کہ وہ اپنے عمل پر خود عمل پیرا ہوجائے پھر قوم کو عمل کی تلقین کرے جس سے قوم بہت جلد راہِ راست پر آجائے گی۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے، نہ ناری ہے

(علامہ اقبال)

الطیف ١٣٩٢ھ

مناجات

از
مولانا مولوی مفتی
محمد کفایت اللہ صاحب

پیشکش:-
محمد علیم الدین منی پوری

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا ۔۔۔ عجب نقش قدرت نمودار تیرا

جہاں لطف گل ہے وہیں خار غم ہے ۔۔۔ ہے گل خار میں، گل میں ہے خار تیرا

خوشی غم میں رکھی ہے اور غم خوشی میں ۔۔۔ عجب تیری قدرت، عجب کار تیرا

یہ نقشہ دو عالم کا جو جلوہ گر ہے ۔۔۔ ہے پردے میں روشن سب انوار تیرا

بہر رنگ ہر شئی میں ہر جا پہ دیکھو ۔۔۔ چمکتا ہے جلوہ قمروار تیرا

تو ظاہر ہے اور لاکھ پردے میں ہے تو ۔۔۔ تو باطن ہے اور سخت اظہار تیرا

نظر کو اٹھا کر جدھر دیکھتا ہوں ۔۔۔ تجھے دیکھتا ہوں، نہ اغیار تیرا

عفو کس سے چاہے گناہکار تیرا ۔۔۔ کہو کس سے چھوٹے گرفتار تیرا

سوا تیرے اب کوئی میرا نہیں ہے ۔۔۔ تو مولیٰ ہے، میں عبد بیکار تیرا

کہاں جاوے جسکا نہ ہو کوئی تجھ بن ۔۔۔ کسے ڈھونڈھے ہو، جو طلبگار تیرا

رہیگا نہ کچھ نقد عصیاں سے میرا ۔۔۔ لگے گا جو رحمت کا بازار تیرا

مری مشکلیں ہوویں آسان اک دم ۔۔۔ جو ہووے کرم مجھ پہ اک بار تیرا

ہوں ظلمات عصیاں سے حسنات روشن ۔۔۔ جو ہو مہر رحمت نمودار تیرا

الٰہی قبول ہو مناجات میری ۔۔۔ کہ رد کرنا ہرگز نہیں کار تیرا

نبی کریمؐ و آل و اصحاب سب پر ۔۔۔ درود و سلام ہووے ہر بار تیرا

میرے پیر استاد، ماں باپ پر بھی
الٰہی رہے رحم بسیار تیرا